مُحَرَّمؒ، صَفَرؒ
1428ھ، 2007ء

# خلافت
میگزین
علیٰ منہاج نبوت

((...ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة))

"...پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت (نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت) قائم ہوگی"

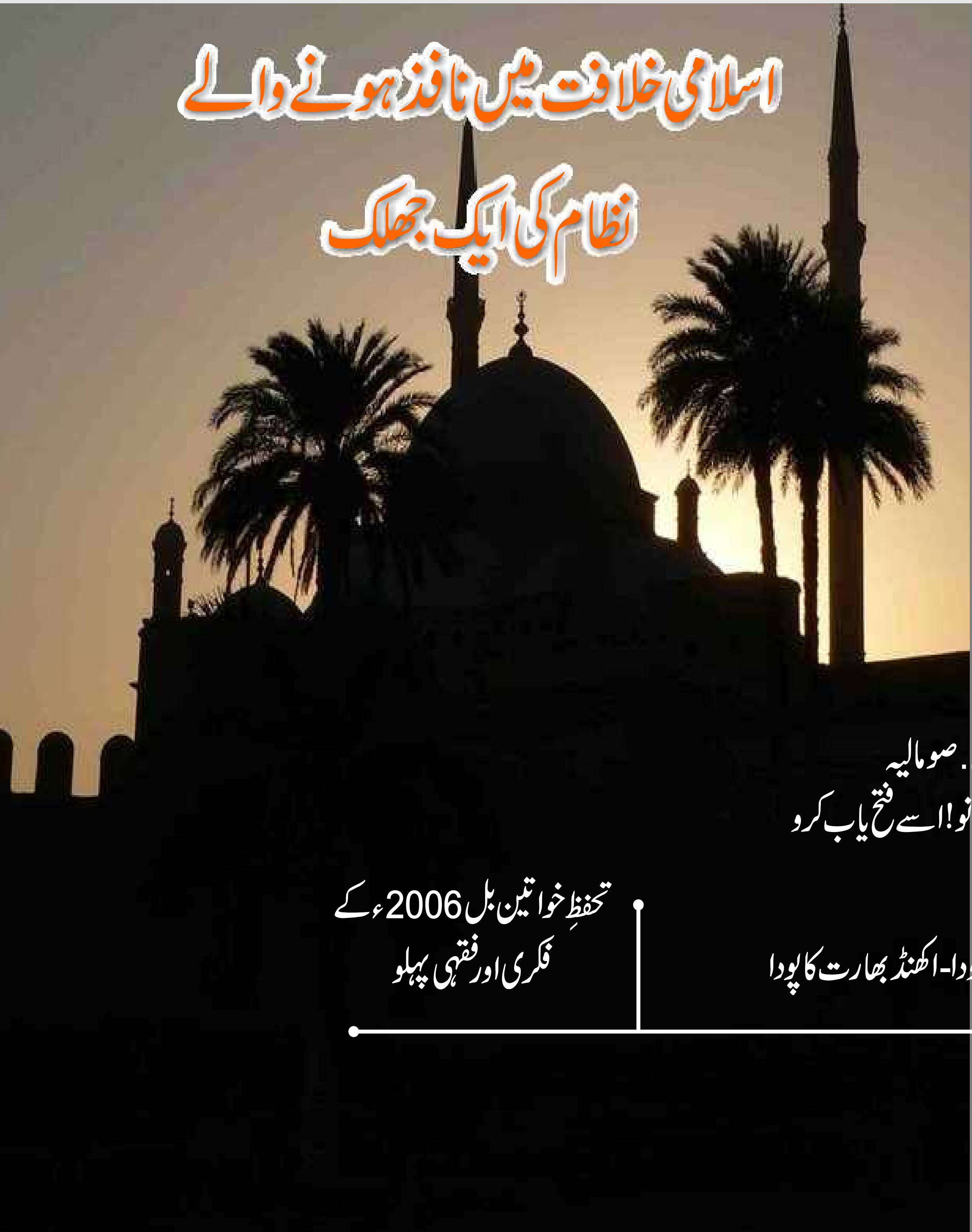

## اسلامی خلافت میں نافذ ہونے والے نظام کی ایک جھلک

صومالیہ... صومالیہ
اے مسلمانو! اسے فتح یاب کرو

تحفظِ خواتین بل 2006ء کے
فکری اور فقہی پہلو

کشمیر کا سودا-اکھنڈ بھارت کا پودا

# میگزین
# خلافت
علیٰ منہاجِ نبوت

مُحرّم، صَفَر
1428ھ، 2007ء

## فہرست

❏ اداریہ ........................................................ 2

فقہی امور

❏ درسِ قرآن الکریم ........................................................ 3

❏ درس حدیث ........................................................ 6

❏ سیرت کے اوراق سے ........................................................ 7

خلافت اسپیشل

❏ اسلامی خلافت میں نافذ ہونے والے نظام کی ایک جھلک ............. 9

❏ چودہ سو سال گزرنے کے بعد خلافت کا نظام کیونکر قابل عمل ہے؟ ........ 15

علاقائی امور

❏ نیگروپونٹے کی نظریں پاکستان پر ............................. 17

❏ کشمیر کا سودا- اکھنڈ بھارت کا پودا ............................. 18

❏ تحفظِ خواتین بل 2006 کے فکری اور فقہی پہلو ............................. 21

عالمی امور

❏ صومالیہ...صومالیہ- اے مسلمانو! اسے فتح یاب کرو............................. 26

❏ بغداد سے ایک خط ............................................ 28

❏ اخبارِ مسلم فی العالم ............................................ 29

❏ دنیا بھر کی تصویری خبریں ............................................ 30

مطبوعاتِ حزب التحریر

❏ بنیاد پرستی ............................................ 32

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حدیث نبوی ﷺ ہے:

"تمہارے اندر عہدِ نبوت موجود رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس کو ختم کردے گا۔ پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی جو (اس وقت تک) رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر موروثی حکومت کا دور ہوگا جو (اس وقت تک) رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر جابرانہ حکومت کا دور ہوگا جو (اس وقت تک) رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی۔"

(رواہ احمد)

زرِ تعاون: فی شمارہ 10 روپے

Published by:

'Shabab-ul-Umma'

Publications Lahore Pakistan

حزب التحریر کی ویب سائٹس:

www.hizb-ut-tahrir.info

www.hizb-ut-tahrir.org

www.khilafah.com

رابطہ، مضامین بھیجنے اور میگزین منگوانے کے لیے

info.khilafat@yahoo.com

www.khilafat.pk

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

# پرویز مشرف کی وردی اور پاکستانی سیاست

پاکستان اپنی نام نہاد آزادی سے لے کر آج تک، پہلے برطانیہ اور پھر امریکہ جیسی کفریہ استعماری طاقتوں کے ماتحت رہا ہے۔ درحقیقت یہ دونوں ممالک ثقافتی، معاشی، عسکری اور سیاسی ذرائع استعمال کر کے پاکستان کی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے باہم برسرپیکار رہے ہیں۔ باوجود یہ کہ ان دونوں کے مفادات کے درمیان ٹکراؤ ہے، مگر یہ دونوں طاقتیں مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کے لئے مساوی طور پر فکرمند ہیں، نیز اس بارے میں بھی کہ کہیں پاکستان اسلام کا رخ اختیار نہ کر لے۔ ابتداً برطانیہ اُس سیاسی، انتظامی اور عسکری مشینری کے ذریعے بڑی آسانی سے پاکستان کے امور پر کنٹرول قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو اس نے متحدہ ہندوستان پر اپنے طویل راج کے دوران بڑی محنت سے بنائی تھی۔ پھر امریکہ نے عالمی امور میں برطانیہ کی جگہ لے لی جس کی بنا پر برطانوی اثر ورسوخ کم ہو گیا اور امریکہ پاکستان کو اپنے حلقہ اثر میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ بلآخر پاکستان امریکہ کا ماتحت ملک بن گیا اور یہ ماتحتی گذشتہ چار دھائیوں سے جاری ہے۔ چنانچہ اس دوران پاکستان نے عالمی اور علاقائی سطح پر امریکی مفاد کو تحفظ دینے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس کے باوجود امریکہ کا پاکستان پر کنٹرول اضطراب کا شکار رہا۔ چنانچہ پاکستان کے معاملات پر کنٹرول قائم رکھنے کے لئے امریکہ کو متعدد بار سرمایہ دارانہ جمہوریت کے ماڈل سے انحراف کر کے فوجی حکومت کو دعوت دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ پاکستان کے معاملات کو کنٹرول کرنے کے لئے ابتدائی امریکی منصوبہ ہی دراصل پاکستان کے نہ ختم ہونے والے داخلی بحران کی اصل وجہ ہے۔ اس منصوبے کے تحت امریکہ نے پہلے سے موجود برطانیہ نواز عناصر کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے لئے نئے وفادار عناصر پیدا کر دیے، بجائے اس کے کہ وہ پہلے سے موجود ان عناصر کو اپنے مفادات کے مطابق تبدیل کرتا۔ چنانچہ ان نئے اور پرانے عناصر کے درمیان تصادم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لہٰذا جب پاکستان کے مختلف اداروں اور سیاست کے میدان میں موجود ان مختلف عناصر میں پاکستان کے امور پر کنٹرول حاصل کرنے کی جنگ چھڑی تو اس کی وجہ سے یہ ادارے اور پاکستانی سیاست اندرونی خلفشار کا شکار ہو گئے۔ کبھی کبھار امریکہ ایک ایجنٹ کو مکمل استعمال کر لینے کے بعد اسے دوسرے ایجنٹ سے تبدیل کرنے کا بندوبست بھی کرتا ہے۔ پاکستانی سیاست میں برسوں سے موجود کشمکش، اسلام اور کفر کی جنگ نہیں بلکہ درحقیقت کفار کے مختلف ایجنٹوں کے درمیان، کفر نافذ کرنے کے لئے، ملک کا مکمل کنٹرول حاصل کرنے کی کشمکش ہے۔

موجودہ صورتحال میں جب اگلے سال نئے الیکشن کا اعلان کر دیا گیا ہے اور بعدازاں کچھ وفاقی وزراء نے الیکشن ایک سال تک ملتوی کرنے کی تجویز بھی دی ہے لیکن پاکستانی سیاست میں جو بحث عروج پر ہے وہ یہ ہے کہ آیا مشرف وردی سمیت ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالے گا یا پھر سول حکومت اس کی جگہ ہو گی۔ جہاں تک موجودہ حکومت میں موجود سیاست دانوں کا تعلق ہے تو وفاقی کابینہ یہ فیصلہ دے چکی ہے کہ مشرف کو وردی سمیت دوبارہ صدر منتخب کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی بھی عوامی جلسوں میں یہ اعلان بار بار دہرا چکے ہیں کہ وہ مشرف کو بار بار باوردی صدر منتخب کریں گے۔ اس کے مقابلے میں اپوزیشن کوئی واضح مؤقف اپنانے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی بلکہ درپردہ حکومت کے ساتھ مذاکرات میں ملوث نظر آتی ہے۔ جہاں تک مشرف کا تعلق ہے تو وہ بدستور امریکہ کا وفادار ایجنٹ ہے اور صدق دل سے امریکی مفادات کو پروان چڑھانے کے لیے پوری دنیا گھوم رہا ہے۔ مشرف کی اس وفاداری کو امریکی حکومت بھی برملا تسلیم کرتی ہے، جیسا کہ 17 جنوری 2007ء کو وائٹ ہاؤس کے ترجمان ٹونی سنو کی طرف سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا کہ ''مشرف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں قیمتی اثاثہ ہیں، انہوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا ہے ان پر دوبار قاتلانہ حملہ ہوا'' قبل ازیں جب مشرف نے پاکستانی سیاست میں قدم رکھا تو بھی امریکہ کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا، پاکستان اور سوڈان میں سابق سی آئی اے (CIA) کے سربراہ ملٹن بیئرڈن نے 2 نومبر 1999ء کو ایک بیان میں کہا: ''جنرل مشرف وہ آخری سنہری موقع ہو سکتے ہیں جو نئی صدی میں پاکستان کو طاقتور امریکی اقدار کی راہ پر گامزن کرے۔'' اور اس وقت سے لے کر آج تک مشرف پاکستان میں امریکی اقدار کے نفاذ میں انتھک کوششیں کر رہا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مشرف وردی کے بغیر کچھ نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مشرف سیاسی لحاظ سے مضبوط نہیں ہے اس لیے اگر مشرف مزید پاکستانی سیاست پر براجماں رہتا ہے تو وردی میں رہنا اس کے لیے ناگزیر ہے۔ تاہم آئندہ آنے والا الیکشن اس کے لیے ایک ایسا ''شوکت عزیز'' پیدا کر سکتا ہے جو سیاسی لحاظ سے موجودہ شوکت عزیز کی طرح کھوکھلا نہیں ہو گا اور وہ مشرف کی طرف سے کئے گئے فیصلوں کو اچھے انداز سے ربڑ سٹیمپ کر سکے گا اور ایسے فیصلوں پر دنیا کی نظر میں ایک ''جمہوری'' ہونے کی چھاپ ہو گی۔

یہ بات طے ہے کہ جب تک پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام موجود رہتا ہے یہاں پر اسلام نافذ نہیں ہو سکتا چاہے اس نظام کو چلانے والا ایک فوجی ڈکٹیٹر ہوتا ہے یا ایک سول حکومت، کیونکہ دونوں میں قانون بنانے کا اختیار انسان کے پاس ہے۔ پاکستانی سیاست میں ایک ریڈیکل تبدیلی کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلی آمریت اور جمہوریت کو مسترد کرتے ہوئے خلافت کے قیام میں ہے۔

❑❑❑

# اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ احکام اخذ کرنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ﴾ ''بھلا آپ نے اس کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو الہ بنایا ہے اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا اللہ کے بعداب کون اسے ہدایت دے؟ کیا تم غور نہیں کرتے'' (الجاثیہ: 23) مزید ارشاد ہے: ﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾ ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلے میں کوئی اختیار نہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں جا پڑا'' (الاحزاب: 36)

بے شک انسان اوّلاً جس امر میں درست راستے سے بھٹکا یا مصیبت کا شکار ہوا وہ اس کا ''دین'' تھا، یعنی جب انسان نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے علاوہ دیگر ذرائع کی طرف فیصلے کے لیے رجوع کرنا شروع کیا اور ان ذرائع کو اپنا حاکم بنایا۔ یقیناً دین کے معاملے میں ایسا کرنے والا بڑا بے عقل ہے۔ چنانچہ ایسی قوم کا دین کیونکر سلامت رہ سکتا ہے جو اپنے جھگڑوں کے فیصلوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی طرف رجوع نہیں کرتی اور اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتی۔ جس قدر وہ لوگ دین کے احکامات سے انحراف کرتے ہیں اسی قدر وہ دین سے بھی دور ہوتے جاتے ہیں۔ پس جب وہ حکم تبدیل کرنے کی انتہا تک پہنچتے ہیں تو وہ دین بھی تبدیل کر بیٹھتے ہیں۔ نتیجتاً نہ صرف ایسے لوگ گمراہی کی اتھاہ گہرائی میں غرق ہو جاتے ہیں بلکہ نافرمانی کا مرتکب ٹھہرتے ہیں۔ نیز اپنے آپ کو کئی اقسام کی ہلاکتوں میں ڈالتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ جس کے بعد صراطِ مستقیم پر باقی رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انسانوں کو دین کے معاملے میں کئی امراض اور مصائب سے واسطہ پڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے منہ موڑ کر زندگی گزارنے کے باعث پیش آتے ہیں۔ قرآن میں ان میں چند اہم امراض کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

## (1) قلوب کی سختی

شریعت میں تحریف کرنا یا اس سے انحراف یا منہ موڑنا، یہ دونوں اعمال بلاشک وشبہ دلوں کی سختی میں مبتلا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہود کی مثال پیش کی ہے جنہوں نے کلام اللہ سے منہ موڑا اور اس میں تحریف کی۔ پھر ان کا کیا انجام ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ﴾ ''پھر چونکہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا لہذا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے۔ (اور اب ان کا یہ حال ہے کہ) کتاب اللہ کے کلمات کو ان کے موقع محل سے بدل ڈالتے ہیں اور جو ہدایات انہیں دی گئی تھیں ان کا اکثر حصہ بھول چکے ہیں'' (المائدہ: 13)

چنانچہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا گیا اپنا یہ وعدہ توڑا کہ وہ سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور آیاتِ الٰہی میں بے جا تصرف کیا یعنی کتاب اللہ کی وہ تاویلات کیں جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے علاوہ تھیں اور اس کو وہ معنی پہنائے جو اللہ تعالیٰ کا مقصد نہ تھا اور اس کے بارے میں وہ کہا جو اللہ نے نہ فرمایا تھا۔ پھر کتاب اللہ سے منہ موڑ کر اس پر عمل کرنا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا پھر اس قساوتِ قلبی اور دل کی سخت وتندخوئی کے سبب ان پر کسی نصیحت کا اثر نہ ہوتا تھا۔

بعینہ یہی معاملہ ہر اس شخص کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کی حکم عدولی کر کے اپنی عقل اور خواہشات کو حاکم بناتا ہے، اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ﴾ ''بھلا آپ نے اس کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو الہ بنایا ہے اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا اللہ کے بعد اب کون اسے ہدایت دے؟ کیا تم غور نہیں کرتے''

(الجاثیہ: 23)

اگر ایک طرف دلوں کا تقویٰ ان لوگوں کی صفت ہے جو شعائرِ اسلامی کا احترام کرتے ہیں اور شریعت کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ﴾

''اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے'' (الحج: 32)

تو دوسری طرف اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے:

﴿الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطَانٍ اَتَاھُمْ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ ”جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی سند آئی ہو یہ چیز اللہ تعالیٰ اور ایمانداروں کے نزدیک بڑی (ناراضگی) کی بات ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔“ (غافر:35)

پس اللہ عزوجل اس امت کو اس امر سے خبردار کرتے اور بچنے کی تلقین کرتے ہیں کہ کہیں ان کے قلوب میں بھی شریعت سے روگردانی کے باعث فساد نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جب کہ رسول تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لیے حیات بخش ہو، اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اسی کے حضور تم جمع کیے جاؤ گے۔“ (الانفال:24)

لہٰذا حکم بجا لانے سے اللہ تعالیٰ آدمی اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یعنی اس کے دل پر حاوی ہو جاتا ہے یا بالفاظِ دیگر اگر آدمی اللہ کی اطاعت نہ کرے اور اس کے احکام کی بجا آوری سے گریز کرے تو اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

## (2) راہِ حق سے بھٹک جانا یا گمراہی:

اپنی خواہشات کی اتباع اور انہیں احکامِ الٰہی پر فوقیت دینا راہِ حق سے بھٹکنے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو باری تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ حق کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم دیا اور انہیں سیدھے راستے سے گمراہ کرنے والی خواہشات کی پیروی کرنے منع فرمایا، ارشاد ہوا:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ﴾

”اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کرنا اور خواہشاتِ نفس کی اتباع نہ کرنا ورنہ یہ بات تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ یومِ حساب کو بھول گئے۔“ (صٓ:26)

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کی تقلید ہرگز نہ کریں جو اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے کرتے راہِ حق سے بھٹک چکے ہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾ ”اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو (زیادتی) نہ کرو اور ان لوگوں کے پیچھے نہ چلو جو پہلے ہی گمراہ ہیں اور بہت لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور صراطِ مستقیم سے بہک چکے ہیں“ (المائدہ:77)

لیکن اہل کتاب گمراہی میں بڑھتے ہی چلے گئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے غافل ہو کر اسے پسِ پشت ڈال چکے تھے اور اپنی اس گمراہی کے بعد وہ اس امتِ مسلمہ کو ہدایت پر دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے بُرے اور دشمنی پر مبنی ارادوں سے آگاہ اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ. وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا. مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِھِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں پر غور کیا ہے جنہیں کتاب کا کچھ علم دیا گیا ہے جس سے وہ گمراہی ہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہِ حق سے بہک جاؤ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ بطور حامی و ناصر تمہارے لیے کافی ہے۔ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب کے کلمات کو ان کے موقع محل سے پھیر دیتے ہیں اور اپنی زبانوں کو مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں“ (النساء:46-44)

مزید یہ کہ قرآن نے امت مسلمہ کو بھی اہلِ کتاب کے اس گمراہ کرنے کے ارادے سے خبردار کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ﴾ ”اہل کتاب میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگوں کو گمراہ کر دیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور انہیں اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی“

(آل عمران:69)

اور اہل کتاب اس امت کو راہِ حق اور شریعتِ الٰہی سے بھٹکانے کی بھرپور خواہش رکھتے ہیں تاکہ وہ اسے مکمل طور پر شریعت سے دور کر دیں۔ چنانچہ امت پر لازم ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو ملحوظِ خاطر رکھیں تاکہ وہ پچھلی امتوں کی طرح گمراہی کی اتھاہ گہرائی میں نہ جا گریں اور اہل کتاب کی طرح راہِ حق سے بھٹک جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾

”اللہ اور اس کا رسول ﷺ جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلے میں کوئی اختیار نہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں جا پڑا“ (الاحزاب: 36)

## (3) نفاق میں مبتلا ہونا اور رُسوا ہونا:

جو لوگ دل میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو ناپسند کرتے ہیں اور اس ناپسندیدگی کو چھپاتے ہیں وہ

نفاق میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اس نفاق کے سبب بیمار ہو جاتے ہیں۔ پس وہ یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھیں، وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسا کرنا ممکن ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو ناپسند فرماتا ہے چنانچہ ان کا نفاق ان کے کلام سے اور اس سے ظاہر ہونے والے بغض سے واضح ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ أَضْغَانَهُمْ. وَلَوْ نَشَآءُ لَأَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ﴾ ''جن کے دلوں میں مرض ہے کیا وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینے کو ظاہر نہیں کرے گا اور اگر ہم چاہیں تو وہ آپ کو دکھلا دیں، آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیں، آپ انہیں ان کے طرزِ کلام سے پہچان ہی لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال جانتا ہے'' (محمد:30-29)

اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو شریعت کا تمسخر اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر جو محمد ﷺ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم گدھے کا سب سے برا حصہ ہو جائیں اور کچھ دوسرے یوں کہتے تھے کہ ہم اپنے قراء حضرات کو اس کے سوا نہیں دیکھتے کہ وہ پوشیدہ طور پر اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور زبان سے جھوٹ کہتے ہیں اور ملاقات کے وقت بزدلی دکھاتے ہیں۔ یوں وہ اپنے نفاق کو شریعت میں شک وشبہ پیدا کر کے اور اس کا استہزاء و تمسخر اڑا کر ظاہر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کسی شخص نے کہا: ''میری تمنا ہے کہ میں یہ فیصلہ کرتا کہ تم میں ہر ایک شخص کو سو کوڑے لگائے جائیں تاکہ ہمیں تمہارے اس قرآن کو لے کر ہمارے درمیان آنے سے نجات مل جائے۔'' چنانچہ یہ بات رسول اکرم ﷺ تک پہنچی تو یہ لوگ معذرت کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ پس یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا إِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ. وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ. لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ ''منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو انہیں منافقوں کے دلوں کا حال بتلا دے۔ آپ ان سے کہیے: ''اور مذاق کر لو'، جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اسے یقیناً ظاہر کر کے رہے گا اور اگر آپ پوچھیں (کہ تم کیا باتیں کرتے ہو) تو کہیں گے کہ ہم تو صرف مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہہ دیجیے کہ کیا تمہاری ہنسی اور دل لگی اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ بہانے نہ بناؤ، تم فی الواقع ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو دوسرے کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ (فی الواقع) مجرم ہیں'' (التوبہ:66-64)

بے شک منافقین کے دائمی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ سے منہ موڑتے ہیں اور دوسروں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دائمی مصیبت ان کا مقدر کر دیا ہے جو ان کے اس رسوا کن نفاق کے باعث ان پر نازل ہوگی اور ان کو گھیر لے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا. فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا﴾

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں پھر ان کا کیا حال ہوتا ہے، جب ان کے کرتوتوں کی بدولت ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے، وہ آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ اللہ ہمارا ارادہ تو بھلائی اور باہمی موافقت کے سوا کچھ نہ تھا'' (النساء:62-61)

یعنی مصیبت آن پڑنے کی صورت میں ان کا مندرجہ بالا حال ہوتا ہے۔ جو ان کے نفاق ظاہر ہونے کے باعث ان کی رسوائی کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کے حکم سے منہ پھیر کر طاغوت کو اپنا حاکم بنایا اور یوں جرم کے مرتکب ہوئے۔

یہ وہ چند نشانیاں ہیں جو اس وقت ظاہر ہو رہی ہوتی ہیں جب اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ ہم دوسرے احکامات کو اپنے قوانین کا ماخذ بناتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس طرزِ عمل سے محتاط رہنے کا حکم ملا تھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر حاوی ہے۔ پس ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں'' (سورۃ المائدہ: 48)

جبکہ نظامِ جمہوریت تو وہ نظام ہے کہ جس میں اللہ کے نازل کردہ کی بجائے انسان کی خواہشات کے مطابق بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ ہوتا ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے کہ یہ نظام فقط شورائیت ہے بلکہ اس نظام میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کو بھی ملکی قوانین بننے کے لیے پارلیمنٹ میں بیٹھے لوگوں کی اکثریت کی مرضی درکار ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمان کو جو حکم دیا وہ تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ''(اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ آپ کو اپنے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں، پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو یہ اپنے اندر کوئی گرانی محسوس نہ کریں، بلکہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں'' (النساء: 65)

❑❑❑

# اللہ تعالیٰ سے ظاہراً و باطناً ڈرنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا رب فرماتا ہے: ((وعزتي لا أجمع على عبدي خوفين وأمنين اذا خافني في الدنيا أمنته يوم القيامة واذا أمنني في الدنيا أخفته يوم القيامة)) ''مجھے میرے جلال کی قسم، میں اپنے بندے کے لیے دو خوف اور دو امن جمع نہیں کرونگا۔ اگر وہ دنیا میں میرے سے ڈرتا ہے تو میں اسے قیامت کے دن (اپنے خوف سے) محفوظ رکھوں گا اور اگر وہ اس دنیا میں اپنے آپ کو مجھ سے محفوظ سمجھتا ہے تو میں قیامت کے دن اسے خوف میں مبتلا کروں گا۔'' (ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا)

مندرجہ بالا حدیث اللہ کی ذات سے ڈرنے کے حوالے سے ہے کہ اللہ کی ذات ہی وہ ذات ہے کہ جس سے ڈرا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ﴾ ''اور صرف مجھ ہی سے ڈرو'' (البقرہ: 41)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور ان کے حواریوں سے ڈرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہوا: ﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ''یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، اگر تم مومن ہو'' (آل عمران: 175)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومنین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اللہ سے ڈرنے کی رکھی ہے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں'' (الانفال: 2)

اوپر والی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت خوف سے بیگانہ کردیں گے۔ وہ دن جب خوف کا وہ عالم ہوگا جس کا تصور انسان اس دنیا میں نہیں کرسکتا۔ قرآن اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ. وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ. وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ. لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ.﴾ ''اس دن انسان اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اولاد سے بھاگے گا۔ اس دن ان سے ہر ایک کو ایسی فکر (دامن گیر) ہوگی جو اسے (دوسروں سے بے پرواہ کرنے کے لیے) کافی ہوگی۔'' (عبس: 37-34)

اور اسی کیفیت کو ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يعرق الناس يوم القيامة حتى يذهب عرقهم في الأرض سبعين ذراعاً ويلجمهم حتى يبلغ آذانهم)) ''قیامت کے روز لوگوں کو اس قدر پسینہ آئے گا کہ ان کا پسینہ زمین میں سات زرع تک پہنچے گا اور وہ وہاں جمع ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کے کانوں تک جا پہنچے گا۔'' (متفق علیہ)

اسی طرح عائشہ ؓ نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((يحشر الناس يوم القيامة حفاة عراة غرلاً، قلت يا رسول الله الرجال والنساء جميعاً ينظر بعضهم إلى بعض؟ قال يا عائشة الأمر أشد من أن يهمهم ذلك)) ''قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں، برہنہ اور غیر مختون جمع کیے جائیں گے'' (عائشہ ؓ نے) پوچھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ کیا مرد و عورت ایک دوسرے کی طرف نگاہ نہیں ڈالیں گے؟'' آپ نے جواب دیا: ''اے عائشہ اس دن معاملہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی اس طرف دھیان بھی نہ دے گا'' (متفق علیہ)

یہی ہے وہ خوف جس میں وہ لوگ مبتلا کئے جائیں گے جو اس دنیا میں اللہ سے ڈرنے کی بجائے شیاطین اور ان کے حواریوں، کفار اور ان کے ایجنٹ حکمرانوں سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے خوف کو بھول جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ اس دنیا میں اللہ کے نافرمان لوگوں سے ڈرنے کی بجائے صرف اللہ کا خوف دل میں رکھتے ہیں، چاہے انہیں اس رستے میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے، اللہ نے ان کے لیے آخرت میں اجر رکھا ہے، جیسا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو باغ ہیں'' (الرحمٰن: 46)

اسی طرح ابو ہریرہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (سبعة يظلهم الله في ظله، يوم لا ظل إلا ظله... ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه) ''سات طرح کے لوگوں کو اللہ اپنے سائے میں پناہ دے گا، اس دن جب اللہ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہ ہوگا: ... اور وہ شخص جو خلوت میں (یا کسی پریشانی کے بغیر) اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں میں (اللہ کے خوف سے) آنسو بھر آئیں''

❑❑❑

# غزوہ احد میں شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سرگرمیاں

مسلمان قریش کے ساتھ اپنی پہلی جنگ یعنی جنگِ بدر میں مؤثر کامیاب ہوئے تھے۔ اس کامیابی کی وجہ سے قریش اپنے حواس کھو بیٹھے ادھر مدینہ میں یہودیوں کی سازشیں اور شرارتیں بھی ختم ہوگئیں اور اندرونی بغاوتیں بھی ماند پڑگئیں۔ اس کے نتیجے میں کچھ یہودی قبیلے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرنے پر مجبور ہوگئے اور بعض کو ملک بدر کردیا گیا۔ مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا لیکن قریش بھی خاموش نہ بیٹھے، وہ مسلمانوں سے اپنی شکست کا انتقام لینے کیلئے تیاری میں جُت گئے۔ اس کا موقع اُنہیں اگلے ہی سال احد میں ملا جب مسلمانوں کے کچھ تیراندازوں نے اپنے قائد کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محاذ چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ قریش اپنی اس کامیابی پر سیر ہوکر واپس لوٹے کہ بدر کی رسوائی کا بدلا لے لیا اور مسلمان شکست خوردہ مدینہ لوٹے۔ مسلمانوں کے چہروں پر اُن کی ہار عیاں تھی حالانکہ مسلمانوں نے جنگ کے بعد کفار کا حمراء الاسد کے مقام تک پیچھا بھی کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں جو مسلمانوں کی طاقت پر اثر پڑا تو مدینہ میں کئی لوگ اور عرب کے کئی قبائل بغاوت پر اتر آئے، جو احد کی جنگ سے پہلے ایسا کرنے کی ہمت بھی نہیں کرپاتے تھے۔ اب مدینہ کے باہر عرب قبائل اور مدینہ کے یہودی اور منافقین حضور اکرم ﷺ کے اقتدار کو چیلنج کرنے کے منصوبے بنانے لگے اور مسلمانوں کو بھڑکانا شروع کردیا۔ مدینہ کے باہر عرب قبائل جو مسلمانوں سے اب تک مرعوب تھے، احد کے بعد وہ بھی مسلمانوں کی مخالفت اور حضور اکرم ﷺ کے اقتدار کو چیلنج کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ حضور اکرم ﷺ کو اس بات کی فکر تھی کہ احد کی شکست سے جو مسلمانوں کا وقار مجروح ہوا ہے، اس کا پھر سے احیاء کیا جائے اور ہر اُس کوشش کو جو مسلمانوں کو زیر کرنے اور اُنہیں قابو میں رکھنے کیلئے کی جارہی ہے، اسے ناکام بنایا جائے۔

جنگ احد کے تقریباً ایک ماہ بعد آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو اسد کا قبیلہ اس تاک میں ہے کہ مدینہ پر حملہ کرکے آس پاس کی چراگاہوں سے مویشی پکڑ کرلے جائیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اُن کے حملہ کرنے سے پہلے ہی اُن پر حملہ کردیا جائے، اس غرض سے آپنے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو قائد بنا کر ایک سو پچاس صحابہ کی پلٹن ترتیب دی اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اپنا فوجی نشان باندھا۔ اس پلٹن میں مسلمانوں کے بہترین اور بہادر ترین افراد کو شامل کیا گیا تھا جن میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن الحضیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اِن کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عام راستے کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کریں، دن میں چھپے رہیں اور رات کے وقت سفر کریں تاکہ اِس حملہ کی خبر دشمن کو نہ ہو اور وہ اچانک حملہ کی زد میں آجائیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور بنی اسد پہنچ کر علی الصبح صحابہ کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے بنی اسد پر حملہ کردیا اور جلد ہی اُنہیں شکست دے کر اور اُن کے مال و مویشی لے کر مدینہ لوٹ آئے۔ اس سے دوبارہ مسلمانوں کا رعب اور اُن کی طاقت کا اثر قائم ہوگیا۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی کہ خالد بن ابی سفیان الہذلی نخلہ یا عرنہ کے مقام پر ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے فوج جمع کررہا ہے، چنانچہ آپ نے عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ کو اس بات کی مخبری کیلئے بھیجا۔ عبداللہ ابن انیس جب خالد کے پاس پہنچے تو اُس نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ ایک عرب ہیں اور اُنہیں یہ اطلاع ملی ہے کہ خالد مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے فوج جمع کررہا ہے اور وہ اسی غرض سے اُس کے پاس آئے ہیں۔ خالد نے عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ نے حملہ والی بات نہیں چھپائی اور اُنہیں بتادیا۔ یہ دونوں چلتے چلتے باتیں کررہے تھے، جب یہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے خالد کے آدمی اُنہیں دیکھ پاتے، تو عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے خالد کا قتل کردیا اور مدینہ آکر ساری خبر حضور ﷺ کو دی۔ اِس سے قبیلہ ہذیل کے بنو لحیان ٹھنڈے پڑگئے اور باقی عرب سے بھی مدینہ پر آنے والے خطرات ماند پڑگئے۔

اس کے بعد گو کہ عرب کا خطرہ کسی حد تک ٹل گیا تھا، لیکن بہرحال اب بھی عرب مسلمانوں کے اقتدار کو کمزور کرنے کی فکر میں تھے اور توہین کرنے سے باز نہیں آرہے تھے۔ اسی دوران ہذیل کے پڑوس کے ایک قبیلہ کا وفد حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ وہ اسلام میں آنا چاہتے ہیں اور یہ گزارش رکھی کہ اُن کے ساتھ کچھ صحابہ کو بھیجا جائے جو اُن لوگوں کو دین سکھائیں، قرآن سنائیں اور اسلامی شریعت سے آگاہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے اُن کے ساتھ چھ صحابہ کو روانہ کیا، جب یہ لوگ ہذیل کے علاقہ کے کنوؤں تک پہنچے تو ان کو دھوکا دے دیا گیا اور چیخ کر قبیلہ ہُذیل کے لوگوں کو بلایا گیا۔ صحابہ اس اچانک حملہ کے سبب گھر گئے، اُنہوں نے اپنی تلواریں نکالیں اور لڑتے لڑتے اُن میں سے تین شہید ہوگئے اور باقی تین نے ہتھیار ڈال دئے اور وہ قیدی بنالئے گئے۔ ان تینوں کو مکہ لے جایا گیا تاکہ اُنہیں بیچا جائے، راستہ میں ان تین میں سے ایک صحابی، یعنی حضرت عبداللہ ابن طارق رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں کی غفلت کا موقع پاکر بھاگ جانا چاہا، وہ اپنی تلوار بھی نکالنے میں کامیاب رہے لیکن دشمنوں نے اُنہیں زیر کرکے قتل کردیا۔ باقی دو کو مکّہ میں بیچ دیا گیا۔ ان میں سے ایک زید ابن دثنہ رضی اللہ عنہ تھے جنہیں صفوان ابن امیہ نے اپنے باپ امیہ ابن خلف کی موت کا بدلا لینے کیلئے خریدا تھا تاکہ وہ اُنہیں مار کر اپنے باپ کا انتقام

لے سکے۔ جب وہ زید ابن دشنہ کو قتل کرنے لگا تو اُنہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا کہ سچ بتاؤ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہوگا کہ اِس وقت یہاں محمد (ﷺ) ہوتے اور اُن کی گردن پر وار ہوتا اور تم مزے سے اپنے اہل وعیال میں ہوتے؟ حضرت زید ؓ نے فرمایا "بخدا مجھے یہ گوارا نہیں کہ اسوقت یہاں محمد ﷺ ہوتے اور اُنہیں ایک کانٹا بھی چبھ رہا ہوتا جبکہ میں اپنے گھر میں اہل و عیال کے ساتھ ہوتا"۔ صفوان کو بہت حیرت ہوئی اور اُس نے کہا کہ میں نے کسی کو اپنے دوست سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کے ساتھی اُن سے کرتے ہیں، پھر اس نے حضرت زید ؓ کو قتل کر دیا۔

دوسرے صحابی حضرت خبیب ؓ تھے، انہیں سولی چڑھانے تک قید میں رکھا گیا تھا، جب اُنہیں سولی پر چڑھانے کیلئے لایا گیا تو اُنہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی اور خشوع کے ساتھ اپنی نماز ادا کی پھر فرمایا: "اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم یہ سوچوگے کہ میں نے موت کے خوف سے نماز طویل کر دی ہے تو میں اور پڑھتا"۔ پھر اُنہیں لکڑی پر لٹکایا گیا اور حضرت خبیب اُن لوگوں کو غصہ سے دیکھتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر کہتے رہے کہ اے اللہ ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا، اے اللہ تو ان کفار کے ایک ایک شخص کو اس طرح ختم کردے کہ ان میں سے کوئی نہ بچے۔ کفار حضرت خبیب ؓ کی چیخوں سے دہل اُٹھے اور پھر اُنہیں قتل کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو ان چھ صحابہ کرام ؓ کے شہید کئے جانے کا بہت رنج ہوا اور مسلمانوں کو بھی اس واقعہ کا بہت افسوس ہوا، سب سے بڑھ کر افسوس کی یہ بات تھی کہ ہذیل نے اُنہیں بہت بڑا دھوکہ دیا تھا اور صحابہ کرام کا ذرا بھی خیال نہیں کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ ان حالات کے سبب گہری فکر میں تھے کہ نجد سے ایک شخص ابو البراء عامر ابن مالک حاضر ہوا، یہ شخص تیراندازی کا ماہر تھا، آپ نے اس کو اسلام کے بارے میں تعارف کرایا اور دین میں داخل ہونے کی دعوت دی، گو کہ اُس نے دعوت قبول نہیں کی لیکن اسلام کیلئے کوئی مخالفت بھی نہیں کی اور یہ درخواست کی کہ اس کے ساتھ کچھ صحابہ کرام کو بھیجا جائے جو اہل نجد کو اسلام سے متعارف کرائیں ساتھ ہی اُس نے کہا کہ اُسے قوی امید ہے کہ اہل نجد اس دعوت کا مثبت جواب دینگے۔ حضور اکرم ﷺ ابھی حال کے واقعہ کی وجہ سے جس میں قبیلہ ہذیل نے صحابہ کو دھوکا دیا تھا، فکرمند تھے لہٰذا انہوں نے ابو البراء کی درخواست نامنظور کر دی۔ لیکن ابو البراء نے حضور اکرم ﷺ کو یقین دلایا کہ وہ ان صحابہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، ابو البراء بہرحال ایک معتبر شخص تھا جس کی بات میں وزن تھا اور کوئی بھی شخص جو اُس کی حفاظت میں ہو، اسے دھوکا دیئے جانے کا خوف نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ اُس نے اصرار کیا کہ صحابہ کو اُس کے ساتھ روانہ کیا جائے جو اہل نجد کو اسلام کی دعوت دیں۔ یہ لوگ روانہ ہوئے اور معونہ کے کنوؤں تک پہنچے، جہاں سے اُنہوں نے اپنے ایک ساتھی کو حضور اکرم ﷺ کا خط دے کر عامر ابن طفیل کے پاس بھیجا۔ جب یہ نامہ بر عامر تک پہنچا تو عامر اُس پر جھپٹ پڑا اور بغیر حضور اکرم ﷺ کا خط دیکھے ہی اس نامہ بر کو قتل کر دیا، پھر اپنے قبیلہ یعنی بنی عامر کو چلا کر پکارا کہ وہ مسلمانوں کو گھیر کر قتل کر دیں۔ بنی عامر نے عامر ابن طفیل کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور ابو البراء کے ساتھ مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ عامر ابن طفیل نے اس پر خاموش ہونے کی بجائے قریب کے دوسرے عرب قبائل کو آواز دی جنہوں نے مسلمانوں کو، جو اپنے اونٹوں پر سوار تھے گھیر لیا۔ مسلمانوں نے تلواریں نکال لیں اور اپنے آخری شخص تک مقابلہ کیا لیکن سوائے دو صحابہ کے سب کے سب شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کا حضور اکرم ﷺ اور تمام مسلمانوں پر شدید اثر پڑا اور آپ ﷺ اس امر کی فکر کرنے لگے کہ کس طرح ان عرب قبائل کو باز رکھا جائے اور مسلمانوں کا رعب و دبدبہ کس طرح بحال کیا جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے محسوس کیا کہ ان حادثات کی وجہ سے مدینہ ہی میں حالات بگڑ رہے ہیں لہٰذا پہلے مدینہ پر توجہ فرمانے کو ترجیح دی کہ جب ان پر قابو پالیا جائے پھر ریاست کے خارجی احوال سے نمٹا جائے۔ جنگ احد، بئر معونہ اور رجیع کے حادثات سے مسلمانوں کے وقار کو ٹھیس پہنچی تھی جس کے سبب منافقین اور یہود کی ہمتیں بڑھ گئیں تھیں۔ یہ لوگ موقع کی تلاش میں تھے، حضور اکرم ﷺ نے اُن کی نیتوں کو بھانپ لیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے محمد ابن مسلمہ کو اُن کے پاس بھیجا اور فرمایا:

"بنی نضیر کے یہود کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم میرے ملک سے نکل جاؤ کیونکہ تم نے دھوکا دے کر اس عہد کو توڑا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تمہارے ساتھ کیا تھا، تمہارے پاس دس دن کی مہلت ہے، اس میں ملک چھوڑ دو اس کے بعد اگر کوئی اس کے بعد دکھائی دیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائیگا"۔

بنو نضیر ملک چھوڑنے پر تیار ہو ہی گئے تھے کہ عبداللہ ابن ابی اور حیی ابن اخطب نے اُنہیں ہمت دلائی اور اس بات پر منا لیا کہ وہ اپنے قلعوں میں محصور رہیں۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے اُن پر گھیرا تنگ کر دیا، اب وہ مصالحت کی طرف آئے کہ اُن کی جان بخش دی جائے اور وہ ملک چھوڑنے پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اپنے تین تین افراد کو ایک اونٹ پر لے کر جس قدر کھانے پینے کا سامان لے جا سکیں چلے جائیں اس کے علاوہ اُن کا کچھ نہیں ہوگا۔ اس طرح یہودیوں نے ملک چھوڑا اور اپنا باقی سامان اور اثاثہ جیسے زمین، باغ اور اسلحہ چھوڑ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ سارا مال مہاجرین میں اور انصار کے صرف دو اشخاص، ابو دجانہ اور سھل ابن حنیف جو کہ مہاجرین کی ہی طرح بے سروسامان تھے تقسیم فرما دیا۔

اس طرح یہودیوں کو ملک بدر کرکے آپ ﷺ نے ملک کے داخلی حالات کی سیاست پر قابو پایا اور مسلمانوں کی طاقت کا سکہ بٹھایا اور اُن کا دبدبہ بحال کر دیا۔ اب آپ ﷺ نے خارجی سیاست کی جانب توجہ فرمائی، ظاہر بات تھی کہ سب سے پہلے قریش کو چیلنج کیا جائے لیکن قریش مقابلہ کیلئے نہیں آئے۔ واقعہ یہ تھا کہ جنگ بدر کے موقع پر ابوسفیان نے چیلنج کیا تھا کہ آج ہی کی تاریخ یعنی یوم بدر کو ہم اگلے سال پھر مقابلہ کرینگے، حضور اکرم ﷺ کو جب ابوسفیان کا یہ قول یاد آیا تو آپ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ اس چیلنج کا جواب

بقیہ صفحہ نمبر 13 پر

# اسلامی خلافت میں نافذ ہونے والے نظام کی ایک جھلک

نوید بٹ
navid.butt@yahoo.com

12 اکتوبر 1999 کو پرویز مشرف کے اقتدار پر قبضے کے بعد عوام میں حکومتی نظام کے بارے میں ایک بار پھر بحث چھڑ گئی۔ فکری حلقوں میں آج بھی جمہوری اور آمرانہ نظام کے بارے میں بحث جاری ہے۔ بیشتار کالم نویس حضرات آج بھی ایک آمر اور منتخب حکمران کا موازنہ کرتے نہیں تھکتے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کا مسئلہ اتنا ہی سادہ ہے؟ اگر پاکستان کے مسلمان اپنی مرضی سے ایک حکمران منتخب کرلیں تو کیا عوام کے تمام تر مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ عوام کے مسائل کا حل محض منتخب حکمرانی میں ڈھونڈنا نہ صرف ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلے کا عامیانہ (simplistic) حل ہے بلکہ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مسئلے کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں گیا۔

کسی بھی معاشرے میں عوام کا اپنے حکمرانوں سے تعلق بلاواسطہ نہیں بلکہ قوانین و نظام کے ذریعے بالواسطہ ہوتا ہے۔ عوام کی نظر میں ایک حکمران ظالم قرار پائیگا اگر وہ ایک ظالمانہ نظام سے حکومت کرے چاہے انفرادی طور پر حکمران کتنا ہی متقی یا پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً ایک ایسا نظام جو لوگوں پر بلا تفریق امیر و غریب جی ایس ٹی جیسے ٹیکس لگائے، ظالمانہ نظام سمجھا جائیگا چاہے اس کو نافذ کرنے والا شخص تہجد گزار ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ایک ایسا نظام جو آزادئ ملکیت کے نام پر سرمایہ دار کو کھلی چھٹی دے کہ وہ دنیا کے وسائل پر قبضہ کر کے عوام کے لئے بنیادی ضروریات تک رسائی ناممکن بنادے، انسانیت کے لئے ظلم کا موجب بنے گا۔ اس نظام کو چاہے ایک منتخب حکمران نافذ کرے یا ایک آمر، دونوں سے ہی عوام جان چھڑانا چاہیں گے۔ نیز عوام کی صحت پر اس سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑیگا کہ اس ظالم نظام کو نافذ کرنے والا آمر ہے یا منتخب کردہ۔

پاکستان کا مسئلہ بھی ظالمانہ نظام کا مسئلہ ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں آمروں نے بھی حکومت کی اور منتخب حکمرانوں نے بھی لیکن عوام کی حالت نہ بدلی۔ وہ اس لئے کہ دونوں انگریز کے چھوڑے سرمایہ دارانہ نظام سے ہی حکومت کر رہے تھے۔ نظام کی جنگ کو محض آمر اور منتخب حکمرانوں کی جنگ بنانا اصل مسئلے اور اس کے حل سے پہلوتہی کرنے اور عوام کو اندھیرے میں رکھنے کے مترادف ہے۔ عوام گزشتہ اٹھاون سالوں سے آمریت اور جمہوریت کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ سے تنگ آ چکے ہیں۔ انہیں جمہوریت کی نہیں اسلام کی تمنا ہے۔ استعمار عوام کو مصروف رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً چہرے بدلتا رہتا ہے اور اسی دقیانوسی سرمایہ دارانہ نظام کو نافذ کرنے کے لئے کبھی آمر اور کبھی ایک منتخب حکمران کو استعمال کرتا ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا گزشتہ اٹھاون سالوں کے دوران جمہوری اور آمرانہ ادوار میں نافذ عدالتی نظام میں کوئی فرق یا تفاوت تھا؟ کیا دونوں ادوار میں انگریز کا چھوڑا ہوا عدالتی نظام ہی نافذ نہ تھا؟ کیا دونوں طرزِ حکومتوں میں آزادی ملکیت اور سود پر مبنی سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہی لاگو نہ تھا؟ کیا دونوں ادوار میں قانون سازی کا اختیار انسان کے پاس نہ تھا؟ کیا آمریت اور جمہوریت کے دوران ہماری خارجہ پالیسی دعوت و جہاد پر مبنی تھی یا اقوام متحدہ کی قراردادوں اور انٹرنیشنل لاز پر؟ کیا ایک آمر اور منتخب حکمران دونوں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی شرائط کو نافذ کر کے عوام کا خون چوسنے کے پابند نہ تھے؟ کیا اختلاط، حجاب، خلوت اور مرد و زن کے تعلقات استوار کرنے سے متعلق اسلامی احکامات کو کسی بھی دور میں معاشرے پر نافذ کیا گیا؟ کیا پاکستان کی تعلیمی پالیسی کبھی اسلامی شخصیت سازی کے اصولوں پر قائم ہوئی یا نئی پود کو 'ڈارونزم' اور مغربی آزادیوں ہی کی تعلیم دی گئی؟ اگر ان دونوں طرز حکومت کے دوران مغربی سرمایہ دارانہ نظام ہی نافذ رہا اور عوام کی ناگفتہ بہ حالت برقرار رہی تو پھر منتخب اور آمر حکمرانی کی بحث کیسی؟ یہی وجہ ہے کہ آج تک پاکستان کے عوام جمہوریت بچانے کے لئے سڑک پر نہیں نکلے جبکہ اسی خطے کے مسلمان خلافت بچانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں جان ہتھیلی پر رکھ کر انگریز کی توپوں کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ آمریت اور جمہوریت درحقیقت ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں جنہیں استعمار یکے بعد دیگرے عوام کو غلام بنانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اسی لئے امریکہ ماضی میں جابر آمروں کو استعمال کرنے کے بعد اب مشرق وسطیٰ اور مسلم دنیا میں جمہوریت کی طرف بلا رہا ہے کیونکہ وہ جانتا کہ وہ جمہوریت کے ذریعے بھی سرمایہ دارانہ نظام نافذ کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے۔

آمریت اور جمہوریت میں مشترک اساس انسان کے پاس قانون سازی کا اختیار ہونا ہے۔ اور اسی چور دروازے کو استعمال کر کے استعمار اپنے مفادات کے لئے پوری مسلم دنیا میں قانون سازی کرواتا ہے۔ چنانچہ افغانستان پر حملہ اور امریکی اڈوں کو قانونی حیثیت دینے کے لئے امریکہ کبھی آمر کے ذریعے قانون بناتا ہے تو کبھی منتخب اسمبلی سے سترھویں ترمیم پاس کروا کر انہیں آئینی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ یوں آمریت میں ایک شخص کو اپنے ساتھ ملانا پڑتا ہے جبکہ جمہوریت میں ایک مخصوص گروہ کو۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اسلام عوام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنا حکمران اپنی مرضی سے منتخب کریں لیکن واضح رہے کہ محض انتخابات کا مطلب جمہوریت نہیں ہوتا بلکہ جمہوریت کی اساس قانون سازی کا اختیار انسان کو سونپنا ہے۔ اس کے

برعکس اسلام کے طرز حکومت یعنی خلافت میں عوامی نمائندوں سمیت خلیفہ کے پاس بھی قانون سازی کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ مجلس امت (شوریٰ) اور خلیفہ دونوں فقط اسلام کے احکامات کو نافذ کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ یوں جمہوریت کے برعکس نظام خلافت میں اللہ اور رسول کے قوانین کو ملکی قوانین بننے کے لئے 51 فیصد ''گریجویٹ'' نمائندوں کی توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسی لئے اس نظام میں استعمار عوام کو غلام بنانے کے لئے کسی غدار شخص یا گروہ کے ذریعے اپنے مفادات کے لئے قانون سازی بھی نہیں کرواسکتا۔ گو کہ اسلام حکمران منتخب کرنے کا اختیار عوام کو تفویض کرتا ہے لیکن خلیفہ اور منتخب نمائندوں کے پاس جمہوریت کے برعکس قانون سازی کا اختیار نہیں ہوتا۔

اور اب صورتحال یہ ہے کہ امریکہ پاکستان سمیت مشرق وسطیٰ میں آمروں کی جگہ منتخب نمائندوں سے سرمایہ دارانہ نظام نافذ کروا کر مسلمانوں کو غلام رکھنا چاہتا ہے۔ یہ اب اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو باور کرائیں کہ مسلمانوں کی نجات موجودہ نظام سے مکمل چھٹکارہ حاصل کر کے اسلامی نظام یعنی خلافت راشدہ کا نظام نافذ کرنے میں پنہاں ہے۔

اسلامی خلافت صرف اسی وقت قائم تصور کی جاتی ہے جب اس میں تمام نظام اسلام سے ہی اخذ کئے گئے ہوں اور اتھارٹی بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ خلافت میں اقتصادی نظام، حکومتی نظام، معاشرتی نظام، نظام عدل، خارجہ پالیسی اور تعلیمی پالیسی مکمل طور پر شرعی مصادر سے اخذ شدہ ہوتی ہے۔ ذیل میں ان نظاموں کے اہم نکات پیش کئے گئے ہیں تاکہ اسلامی نظام کا ایک خاکہ واضح انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا جاسکے۔

## حکومتی نظام:

● خلیفہ عوام کے بالواسطہ یا بلاواسطہ انتخاب سے منتخب ہوتا ہے۔ منتخب ہونے والا امیدوار امت کی بیعت سے خلافت کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ اس انتخاب میں عوام الناس پر کسی قسم کا دباؤ یا جبر نہیں ہوگا۔ نیز بیعت اس شرط پر لی جاتی ہے کہ منتخب شخص ان پر مکمل اسلام نافذ کریگا۔

● اسلام نے نظام سے متعلق اصولی ہی نہیں بلکہ جزوی قوانین بھی دیئے ہیں۔ مثال کے طور پر معاشی نظام میں اراضی، سود، کرنسی، عوامی ملکیت سے متعلق شرعی احکامات، خارجہ پالیسی میں جہاد، بین الاقوامی معاہدات، سفارتی تعلقات سے متعلق احکامات، نظام حکومت میں انتخاب، بیعت، والیوں کے تقرر اور ان کی تنزلی سے متعلق احکامات وغیرہ میں شریعت کے تفصیلی احکامات موجود ہیں۔ خلیفہ ان قوانین کو من وعن نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ نیز خلیفہ کو ان احکامات کو نافذ کرنے کے لیے عوام کے نمائندوں کی اکثریت کی اجازت درکار نہیں ہوتی۔ نہ ہی خلیفہ ان معاملات میں اپنی ذاتی پسند یا ناپسند پر عمل کرسکتا ہے۔ چنانچہ ان تمام معاملات میں خلیفہ اور عوامی نمائندوں کے پاس اپنی مرضی اور منشاء سے قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں۔ لہذا خلافت میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو ملکی قوانین بننے کے لیے اکثریت کی بیساکھی یا توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی جو کہ جمہوری طرز حکومت میں قانون سازی کے لیے ایک لازمی شرط ہوتی ہے۔ آج پاکستان میں اسلام کے نفاذ میں اکثریت کی شرط ہی سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ یوں خلافت میں اقتدار اعلیٰ یا قانون سازی کا اختیار عملاً عوام کی اکثریت کی بجائے اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس سے یکسر مختلف ہے جو آج پاکستان میں رائج ہے جس میں حقیقی اقتدار پارلیمنٹ میں بیٹھے افراد یا باوردی ڈکٹیٹر کے پاس ہوتا ہے۔

● اسلام فرد واحد کی ڈکٹیٹرشپ اور مخصوص گروہ کی ڈکٹیٹرشپ (جمہوریت) دونوں کو یکسر مسترد کرتا ہے اور اقتدار اعلیٰ شریعت کو سونپ کر اللہ کی حاکمیت کو عملاً نافذ کرتا ہے۔ یوں استعمار کے لیے قانون سازی کا چور دروازہ بند ہوجاتا ہے جس کے ذریعے داخل ہوکر وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے قانون سازی کرواتا ہے۔ ڈکٹیٹرشپ میں ایک شخص کو خریدنا پڑتا ہے جبکہ جمہوریت میں ایک اکثریتی گروہ کو، جو آئینی ترامیم کے ذریعے سیاہ کو سفید بنا سکیں۔ آج سترھویں ترمیم کے ذریعے ایک ڈکٹیٹر کے بنائے ہوئے کفریہ قوانین کو جمہوری طریقہ کار کے ذریعے آئینی تحفظ دیا گیا۔ جہاد کو دہشتگری قرار دے دیا گیا، امریکی اڈوں کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی اور افغانستان کی جنگ میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا قتل عام ملکی مفاد میں جائز ٹھہرا۔

● مباح اور انتظامی امور سے متعلق حکومتی فیصلے قانون سازی (legislation) سے مختلف ہیں کیونکہ ان امور کو شارع (اللہ) نے پہلے ہی حلال قرار دے کر ان کے بارے میں قانون سازی کردی ہوئی ہے۔ حکومت فقط یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آیا ان حلال امور کو اب اختیار کیا جائے یا نہیں۔ اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم ان امور میں اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔ مباح امور کی دو قسمیں ہیں: وہ امور جن میں عوام خاطر خواہ علم رکھتے ہیں اور وہ امور جن کے بارے میں صرف اہل علم اور تکنیکی ماہرین ہی صحیح رائے دے سکتے ہوں اور عوام ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

ا) وہ مباح امور جن میں عوام خاطر خواہ علم رکھتے ہیں ان میں عوام کی اکثریت کی رائے پر خلیفہ چلنے کا پابند ہوتا ہے مثلاً اگر خلیفہ ایک شہر کے باسیوں سے یہ استفسار کرے کہ انہیں ہسپتالوں یا اسکولوں میں سے کون سی شے کی زیادہ ضرورت ہے تو ایسی صورت میں عوام کی اکثریت (یعنی ان کے نمائندوں کی اکثریت) کا فیصلہ خلیفہ کے لیے نافذ کرنا لازمی ہوگا۔

ب) دوسری طرف خلیفہ مباح تکنیکی مسائل میں عوام الناس کی بجائے فقط ماہرین سے رجوع کرتا ہے اور ان سے مشورے کے بعد اس کی نظر میں جو بھی رائے زیادہ مناسب ہو وہ اسے اختیار کرتا ہے۔ اس میں عوام کی یا تکنیکی ماہرین کی اکثریت کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ اگر پانی کی قلت کا سامنا ہو تو خلیفہ تکنیکی ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد حتمی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ ڈیم کہاں اور کتنا بڑا بنایا جائے۔ لیکن ان تمام امور میں امت اور ان کے نمائندے خلیفہ کا محاسبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں تاکہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال عوامی بھلائی میں کرے نہ کہ ذاتی مفاد

میں۔

● جمہوری نظام حکومت میں مذکورہ بالا تینوں جہتوں میں (یعنی قانون سازی اور دونوں مباح امور میں) آخری فیصلے کے لیے عوام کی اکثریت ہی سے رجوع کیا جاتا ہے جبکہ خلافت میں عوام کی اکثریت صرف ایک پہلو میں فیصلے کا اختیار رکھتی ہے۔ اسی طرح ڈکٹیٹرشپ میں تینوں جہتوں کے بارے میں ایک فرد واحد فیصلہ صادر کرتا ہے لیکن خلافت میں خلیفہ کے پاس صرف ایک جہت میں اپنی رائے نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے یعنی مباح تکنیکی امور میں۔ جبکہ ان مباح امور کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں انسان کی مرضی نہیں بلکہ اللہ کے احکامات کی پابندی لازمی ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس جمہوریت میں ان امور میں بھی اکثریت سے رجوع کیا جاتا ہے۔ یوں خلافت نہ ہی ڈکٹیٹرشپ ہے اور نہ ہی جمہوریت۔ قوانین بنانے اور اہم امور پر فیصلہ کرنے کا یہ بنیادی فرق ایسے نظام اور معاشرے کو جنم دیتا ہے جو اپنی اساس اور جزیات میں آمریت اور جمہوریت سے جنم لینے والے نظام اور معاشرے سے مکمل طور پر متصادم ہے۔

● خلیفہ مندرجہ بالا تینوں جہتوں میں مشاورت کا خیر مقدم کریگا اور ملک میں ایک مثبت مشاورت کی فضاء کو یقینی بنائے گا۔

● خلیفہ مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ اس کا محاسبہ کرنا عوام کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہوتا ہے۔ نیز قاضی مظالم بدعنوانی کی صورت میں خلیفہ کو معزول تک کر سکتا ہے۔

● مجلس امت عوام کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایسا ادارہ ہوتا ہے جس کی ذمہ داریوں میں خلیفہ کو مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ اس کا محاسبہ کرنا بھی شامل ہے

● ایک سے زائد سیاسی جماعتیں قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔ لیکن تمام سیاسی جماعتوں کی اساس اسلام پر ہونا لازمی ہے۔

● پوری مسلم امت کی ایک ہی ریاست اور ایک ہی خلیفہ ہوسکتا ہے۔ ایک سے زائد ریاست بنانا یا ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلیفہ مقرر کرنا شرعاً حرام ہے۔ مسلمانوں کی وحدت اور طاقت ایک ریاست اور ایک امیر میں مضمر ہے جس کی اسلام بڑی سختی سے تلقین کرتا ہے۔ امت صرف اسی صورت میں استعماری تسلط اور صلیبی یلغار سے باہر نکل سکتی ہے جب وہ دنیا کے چالیس فیصد وسائل اور ایک بلین سے زائد افرادی قوت کو ایک ریاست تلے متحد کرے۔ یہ وحدت ہی کافروں کی صفوں میں کھلبلی مچانے کے لیے کافی ہے۔

● امت کفراً بواحاً (واضح کفر) کے نفاذ پر خلیفہ کو بزور شمشیر اتارنے کی قانوناً مجاز ہوتی ہے۔

### اقتصادی نظام:

● اسلام میں کچھ متعین ٹیکس اور صدقات ہیں مثلاً خراج، عشر، جزیہ، زکوٰۃ، خمس، ہنگامی حالات میں صرف امیروں پر ٹیکس وغیرہ۔ ان متعین ٹیکسوں اور صدقات کے علاوہ عوام پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس لگانا شرعاً حرام ہے۔ چنانچہ خلافت میں جی ایس ٹی، انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، ٹول ٹیکس نہیں ہوتے۔ پیسے اور مال پر سال کے آخر میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ تو لی جاتی ہے لیکن اس کے علاوہ کسی قسم کا کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مسلمان اور غیر مسلم شہری کی درآمدی یا برآمدی اشیاء پر صرف ڈھائی فیصد زکوٰۃ لی جاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی امپورٹ اور ایکسپورٹ ڈیوٹی عائد نہیں کی جاتی۔ البتہ سال میں ایک دفعہ مال پر مسلمان تاجر کو ڈھائی فیصد زکوٰۃ دینی ہوتی ہے۔ چنانچہ جی ایس ٹی، انکم ٹیکس جیسے استحصالی ٹیکسوں کی عدم موجودگی میں ایک عام شہری کو فوری ریلیف ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امپورٹ اور ایکسپورٹ ڈیوٹیوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے تجارت کو بھی فروغ ملتا ہے۔ نیز خراج، عشر، زکوٰۃ کی شکل میں پیسے اس سے لیے جاتے ہیں جو جاگیریں اور پیسہ رکھتا ہے اور وہ بھی اتنا جس سے امیر لوگوں پر بھی بوجھ نہ پڑے جبکہ ایک غریب نادار پر کسی بھی قسم کا کوئی ٹیکس لاگو نہیں ہوتا بلکہ اس کی کفالت کے لئے ریاست اسے پیسہ فراہم کرتی ہے۔ اللہ کے احکام ہونے کے ناطے ان قوانین کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور یوں اللہ انسان سے قانون سازی کا اختیار چھین کر انسانیت کو ظلم سے بچالیتا ہے۔

● اسلام میں ہر مرد پر اپنی اور اپنے اہل خانہ کی کفالت فرض ہے۔ ناداری کی صورت میں اس کے قریبی رشتہ داروں پر نان ونفقہ کی ذمہ داری آن پڑتی ہے۔ قریبی رشتہ داروں کی طرف سے عدم ادائیگی کی صورت میں ایک شخص اپنا حق عدالت کے ذریعہ وصول کر سکتا ہے۔ وہ تمام لوگ جن کی بنیادی ضروریات ان دونوں ذرائع سے بھی پوری نہ ہوسکیں تو پھر یہ ذمہ داری ریاست کی ہوگی کہ ان کی بنیادی ضروریات پوری کرے۔ ان میں خوراک، لباس، چھت، تعلیم، صحت وغیرہ شامل ہیں۔ یوں لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنا اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ ایک سرمایہ دارانہ ریاست میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں 3 کروڑ ساٹھ لاکھ افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آج دنیا کے اس امیر ترین ملک میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ بے گھر ہیں اور رات کھلے آسمان کے نیچے گزارنے پر مجبور ہیں۔

● اسلامی معیشت اپنی اساس اور فروع میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام دونوں سے مختلف اور جدا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام آزادی ملکیت جبکہ اشتراکی نظام ذاتی ملکیت کی نفی کی بنیاد پر مبنی ہے۔ اسلام دونوں انتہاؤں کو مسترد کرتا ہے۔ اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ چیزوں کو ذاتی ملکیت سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ اس قانون کی وجہ سے ایک سرمایہ دار کو یا ملٹی نیشنل کمپنی کو عوامی اثاثہ جات پر ملکیت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ چنانچہ تیل اور گیس کے کنوئیں، معدنیات کی کانیں، نہریں، شاہراہیں، پبلک پارکس وغیرہ ذاتی ملکیت میں نہیں آسکتے۔ بلکہ ہر وہ شئے جس پر پورے معاشرے کا انحصار ہو اور جس کی عدم موجودگی کی صورت میں عوام اس کی تلاش میں منتشر ہو جائیں، عوامی اثاثہ جات کے زمرے میں آتی ہے اور اسے ذاتی ملکیت میں نہیں دیا جاسکتا۔ آج سرمایہ دارانہ نظام میں پیسے کے ارتکاز کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تمام تر وسائل کو آزادیٔ ملکیت کے نام پر چند ہاتھوں میں مرکوز کر دیا گیا ہے اور عوام ان کو حاصل کرنے کے

لیے انہیں منہ مانگا منافع دینے پر مجبور ہیں جیسا کہ پاکستان میں آئی پی پی (انڈیپنڈنٹ پاور پروڈیوسرز) کے قیام کے بعد بجلی کا حشر ہوا۔ یا تیل اور گیس کو ڈی ریگولیٹ کر کے انتظام ملٹی نیشنل کمپنیوں کے حوالے کر دیا گیا اور اب ہر 15 دن بعد پٹرول بم عوام کے سر پر پھٹتا ہے۔

چونکہ ان عوامی اثاثہ جات کے شرعی مالک عوام ہیں ریاست نہیں چنانچہ ریاست ان اشیاء کی ترسیل میں منافع نہیں کما سکتی۔ خلافت ان عوامی اثاثہ جات کو عوام تک مفت پہنچائے گی یا وہ زیادہ سے زیادہ اتنی قیمت لینے کی مجاز ہوگی جتنا خرچ ان کی پیداوار اور ترسیل میں ریاست کو برداشت کرنا پڑا۔ اس سے زائد لینا شرعاً حرام ہے۔ یوں تیل، گیس، بجلی، پانی وغیرہ ایک شہری کو نہایت کم قیمت میں ملیں گے، جس کو حاصل کرنے کے لئے آج انہیں دو دو نوکریاں کرنی پڑتی ہیں۔ نیز پاکستان کی زراعت اور انڈسٹری کو نئی زندگی ملے گی۔ چنانچہ اسلام کا ایک حکم مغربی سرمایہ دارانہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو عوام الناس کی بنیادی ضروریات پر ڈاکہ ڈالنے سے روک دیتا ہے اور پیسے کو چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے بھی روکتا ہے۔ مزید برآں اس حکم کے نفاذ سے عوام الناس کو فوری ریلیف ملتا ہے۔ البتہ شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ریاست عوامی اثاثہ جات کو عوام تک پہنچانے کے بعد بقیہ میں سے ایک حصہ کو برآمد کر کے فنڈز اکھٹے کر سکتی ہے۔

● مزارعت یا کاشت کے لیے زمین کرائے پر دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔ تاہم زمیندار کو کاشتکاری کے لیے اجرت پر مزدور رکھنے کی اجازت ہوگی۔

● اگر ایک زمیندار خود اپنی زمین کاشت نہ کر سکے تو اسے کسی دوسرے مسلمان کو بغیر معاوضہ یہ زمین دینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اور اگر وہ تین سال تک ایک خطہٗ اراضی کاشت کرنے سے قاصر رہے تو ریاست اس زمین کو ضبط کر کے کسی دوسرے شہری کو دینے کی مجاز ہوتی ہے۔

● شہری علاقے سے باہر ایک بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے والا اس زمین کا مالک بھی بن جاتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں تقریباً 45 فیصد قابل کاشت اراضی بنجر پڑی ہے جسے کچھ محنت کے بعد قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے۔ مالکانہ حقوق کی پرکشش ترغیب گاؤں میں رہنے والی 70% آبادی کو نہ صرف باعزت روزگار حاصل کرنے کے لیے متحرک کریگی بلکہ ملکی پیداوار میں خاطر خواہ اضافے کا باعث بھی بنے گی۔ نیز اس اراضی سے خراج اور عشر کی مد میں خطیر رقم بیت المال میں جمع ہوگی۔

● شہری علاقے سے باہر ایک بنجر زمین پر گھر بنانے یا باڑ لگا کر اس میں مویشی پالنے یا اس پر صنعت لگانے سے بھی ایک شخص اس بنجر زمین کا مالک بن جاتا ہے۔ رہائشی زمین کی قیمتوں میں، جو آج آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، فوری کمی آئے گی اور یوں عوام الناس کا چھت کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جائے گا۔

● کرنسی مکمل طور پر سونے اور چاندی پر منحصر ہوگی یوں پیسے کی گرتی ہوئی قیمت کا سرمایہ دارانہ مسئلہ حل ہو جائیگا اور قرض خواہ کی سود مانگنے کی توجیہ بھی ختم ہو جائیگی۔ کیونکہ موجودہ دور کی کھوکھلی کرنسی اعتماد (speculation) پر مبنی ہوتی ہے جبکہ سونے اور چاندی کا بذات خود قیمتی دھاتیں ہونے کی وجہ سے ان پر مبنی کرنسی ڈیویلیو (devalue) نہیں ہوتی۔

● سونے چاندی (کرنسی) کی ذخیرہ اندوزی حرام ہوتی ہے۔ یوں پیسے کے ارتکاز کی حوصلہ شکنی ہوگی اور پیسہ اقتصادی چکر سے باہر نہیں نکلے گا۔

### اسلامی نظام عدل:

● تمام مقدمات کا فیصلہ صرف اور صرف اللہ کے قوانین کے تحت کیا جاتا ہے۔ جج کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اسے کسی اور عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ سے حقدار کو ایک عدالت سے دوسری عدالت تک چکر نہیں لگانے پڑتے اور مجرم کو فوری سزا ملتی ہے۔ فریقین جج کے خلاف مقدمہ دائر کر سکتے ہیں اگر وہ اسلامی احکامات کی صریح خلاف ورزی یا حقائق کو نظر انداز کر کے فیصلہ صادر کرے۔

● ملزم اس وقت تک بری تصور کیا جاتا ہے جب تک کہ اس کا جرم شرعی بیّنات (ثبوت) کی روشنی میں ثابت نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک شخص کو نہ تو محض شک کی بنیاد پر گرفتار کیا جائے گا اور نہ ہی شک کی بنیاد پر سزا سنائی جائے گی۔ آج جھوٹی FIR کی مدد سے ایک غریب کو جیل بھجوا دیا جاتا ہے جہاں وہ ضمانت کی عدم موجودگی کی وجہ سے سالہا سال سڑتا رہتا ہے۔ آج خواتین حدود اللہ کی وجہ سے ظلم کا شکار نہیں بلکہ انگریز کے دیئے گئے procedrual laws کے تحت ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں۔

● اسلامی عدالتی نظام میں اعلیٰ اور ذیلی عدالتوں کا کوئی تصور نہیں تاہم مختلف نوعیت کے جرائم کی بنیاد پر عدالتوں کی تین اقسام ہیں۔ قاضی محتسب، قاضی عام اور قاضی مظالم۔ قاضی محتسب معاشرے کے خلاف ہونے والے جرائم اور مجموعی معاشرتی حقوق کی خلاف ورزی سے نمٹتا ہے مثلاً ناپ تول میں کمی، غیر قانونی تجاوزات وغیرہ۔ قاضی عام دو شہریوں کے مابین تنازعات سنتا ہے نیز ریاست کے خلاف ہونے والے جرائم بشمول حدود اور تعزیرات کے فیصلے صادر کرتا ہے۔ قاضی مظالم عوام اور ریاست/حکمرانوں کے مابین تنازعات پر فیصلہ کرتا ہے۔

● خلیفہ کا جرم ثابت ہونے کی صورت میں قاضی مظالم اسے سزا دینے یا معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ نیز ایسے مقدمہ کی سماعت کے دوران خلیفہ قاضی مظالم کو معزول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

● عدالت میں صرف ایک ہی قاضی فیصلہ کا مجاز و مختار ہوتا ہے گو کہ دیگر قاضی حضرات اسے فیصلہ کرنے میں مشورہ اور مدد دے سکتے ہیں۔ نیز اسلام میں جیوری کا کوئی تصور نہیں۔

● جھوٹی گواہی دینے والے کو قرار واقعی سزا دی جاتی ہے۔ نیز لمبے اور غیر ضروری پروسیجرل قوانین (procedural laws) سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً عوام کو فوری اور سستا انصاف مہیا ہوگا۔

● عدل مہیا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے چنانچہ خلافت میں کسی قسم کی کوئی کورٹ فیس یا ٹیکس نہیں ہوتا۔

● عدلیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ تمام شہریوں کو رنگ، نسل اور دین سے بالاتر ہو کر ایک ہی نظر سے دیکھے۔ سوائے ان مسائل کے جو غیر مسلموں کی

ذاتی زندگی سے متعلق ہوں مثلاً شادی بیاہ وغیرہ جن میں ہر شخص کے مذہب کے مطابق فیصلے کئے جائیں گے۔

## خارجہ پالیسی:

● اسلام کی دعوت اور اس کے نظاموں کا فروغ خارجہ پالیسی کی بنیاد اور اساس ہوتی ہے۔ جس کا عملی طریقہ دعوت اور جہاد ہوگا تا کہ انسانیت کو استعماری نظام کے ظلم سے نجات دلائی جاسکے۔

● ریاست کو کسی بھی ایسے بین الاقوامی ادارے کا حصہ بننے کی اجازت نہیں ہوگی جس میں غلبہ اور مجموعی اختیار کفار کے پاس ہو مثلاً اقوام متحدہ، نیٹو، WTO وغیرہ

● مسلم علاقوں میں قائم غیر شرعی ریاستوں کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ان علاقوں کو خلافت میں ضم کرنے کے لیے ریاست پرامن ذرائع استعمال کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی تاہم ضرورت پڑنے پر عسکری ذرائع بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

● وہ ممالک جو مسلمانوں کے خلاف عملاً برسرپیکار ہیں مثلاً اسرائیل، امریکہ، برطانیہ، ہندوستان وغیرہ کے ساتھ کسی قسم کے سفارتی تعلقات نہیں ہونگے۔ ان ممالک کے ساتھ حالت جنگ کے شرعی قوانین لاگو ہوں گے۔

● دیگر غیر مسلم ریاستوں سے محدود مدت کے معاہدے کر کے سفارتی تعلقات قائم کئے جائیں گے تا کہ ان کے ساتھ مل کر بڑے سیاسی حریف کے خلاف سیاسی اور اقتصادی بلاک بنایا جاسکے۔ ریاست عالمی سطح پر ایک فعال ریاست کا کردار ادا کریگی اور افریقہ، لاطینی امریکہ اور دیگر علاقوں میں پسے ہوئے عوام کی قیادت حاصل کرنے کے لئے عملی اقدامات کریگی۔

● معاہد ریاستوں کے ساتھ دو طرفہ تجارت اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے روابط بڑھائے جائیں گے تا کہ ریاست کو ہر شعبے میں خود کفالت سے ہمکنار کیا جاسکے۔

● خلافت مسلمانوں کے وسائل اور فوجوں کو متحد کرتے ہوئے کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان اور دیگر مسلم مقبوضہ علاقوں کو بذریعہ جہاد حریت دلائے گی۔

## معاشرتی نظام:

● عفت وعصمت کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ مرد اور عورت پر تہمت لگانے والے کو سخت سزا دی جائے گی۔ نیز تمام تمدنی پہلوؤں یعنی لباس کی تراش خراش، عمارتوں کی تعمیر وغیرہ میں اسی بنیاد کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ مسلمان اور غیر مسلم عورتیں چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ برہنہ کر کے باہر نہیں آسکیں گی۔ اسی طرح مردوں کو بھی اپنے ستر ڈھانپ کر نکلنا ہوگا۔

● نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد کی ہے۔ بچوں اور گھر کی دیکھ بھال عورت کی اولین ذمہ داری ہے۔

● عورت کے بھی وہی حقوق اور فرائض ہیں جو مرد کے ہیں سوائے ان کے جو اسلام نے بحیثیت عورت اس کے ساتھ مخصوص کردئے ہیں۔ چنانچہ عورت تجارت، زراعت، تدریس، طب صنعت وحرفت، سیاست وغیرہ میں اپنا مثبت کردار ادا کرسکتی ہے بشرطیکہ اس کی اولین ذمہ داری متاثر نہ ہوتی ہو۔

● عورت تمام حکومتی عہدوں پر فائز ہوسکتی ہے سوائے خلیفہ، محکمة المظالم کے قاضی، والی (گورنر) اور عامل کے۔

● عورتوں اور مردوں کی جنسیت کو پیسے کمانے کے لیے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ وہ تمام پیشے اختیار کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو عورت اور مرد کی جنسیت کو استعمال کرتے ہیں جیسا کہ آج کل ماڈلنگ، ائیر ہوسٹس وغیرہ کا معاملہ ہے۔

## اسلامی تعلیمی پالیسی:

● تعلیم کا بنیادی مقصد اسلامی شخصیت پیدا کرنا اور طالب علم کو زندگی کے مسائل سے متعلق علوم اور معارف سے لیس کرنا ہے۔

● پرائمری اور سیکنڈری اسکول تک تعلیم مفت فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ نیز یہ تمام لوگوں کو حاصل کرنا لازمی بھی ہوگی۔

● ہر مرد اور عورت پر یہ فرض ہے کہ وہ روزمرہ زندگی سے متعلق شرعی احکامات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو۔

● پوری ریاست میں تعلیمی نصاب ایک ہی ہوگا اور پرائیوٹ تعلیمی اداروں یا مدارس کو ریاست کے نصاب کے علاوہ کسی دوسرے نصاب کو اپنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ چنانچہ آغا خان فاؤنڈیشن اور او اینڈ اے لیولز کے مغربی اور کفریہ نصاب پڑھانے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

● کسی بھی غیر ملکی اسکول کی اجازت نہ ہوگی۔

● مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں ہوگی۔ سوائے بصورت مجبوری اگر اعلیٰ تعلیمی شعبے میں الگ الگ جامعات بنانے کے لیے ریاست کے پاس فنڈز نہ ہوں۔

● سائنس اور ٹیکنالوجی اور ان کے ثمرات غیر مسلموں سے بھی اخذ کئے جاسکتے ہیں مثلاً اسلحہ، خلائی ٹیکنالوجی، ٹی وی، ڈی وی ڈی، انٹرنیٹ، پودوں اور جانوروں کی کلوننگ وغیرہ۔ لیکن وہ مضامین جو مغربی ثقافت اور ان کے نظریات مثلاً ڈارون ازم وغیرہ کو فروغ دیں، ان کی پرائمری اور سیکنڈری درجات میں تدریس کی اجازت نہ ہوگی۔ تاہم یہ موضوعات مع ان کے ردّ، اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھائے جائیں گے۔

● علم کے چھپانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ چنانچہ کاپی رائیٹ اور انٹیلیکچویل پراپرٹی رائٹس کے سرمایہ دارانہ قوانین کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی جن کا مقصد ہوشربا منافع بنانے کے علاوہ دیگر اقوام کو سائنسی میدان میں پسماندہ رکھنا ہوتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی پر غاصبانہ تسلط قائم رکھنے کے لئے مغرب نے WTO کے نام پر جو قوانین متعارف کروائے ہیں انہیں ریاست کسی طور قبول نہیں کریگی۔ لہٰذا ادویات، بیج، مشینری اور دیگر ٹیکنالوجی وغیرہ نہایت ہی سستے داموں میسر ہونگے اور عوام الناس ان ثمرات سے بخوبی فائدہ اٹھاسکیں گے۔

● دفاعی اور بھاری صنعت کی ترقی کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا نیز یہاں پر ہونے والی تحقیق کو دیگر انڈسٹری کے ساتھ باہم مربوط کیا جائے گا تا کہ تحقیق

کے فوائد عام آدمی تک پہنچ سکیں۔

## متفرق اصول وقوانین:

● شرعی احکامات اخذ کرنے کے لیے فقط کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اجماع صحابہؓ اور قیاس ہی معتبر ذرائع ہوتے ہیں۔

● اسلام میں شرعی مصادر سے احکامات اخذ کرنے کے عمل (process) کو اجتہاد کہتے ہیں۔ کسی بھی دور میں پوری امت میں کم از کم ایک مجتہد کا ہونا فرض کفایہ ہے جو امت کو نئے مسائل کے بارے میں حکم، شرعی مصادر سے استنباط کر کے دے سکے۔ ہر مسلمان کو اجتہاد کا حق حاصل ہے بشرطیکہ اس کے اندر اجتہاد کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ نیز یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اجتہاد کسی مجتہد کی اپنی پسند ناپسند پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ یہ فقط قرآن اور سنت میں وارد شدہ اللہ کے احکامات کو سمجھنے اور تلاش کرنے کا نام ہے۔ اسی لئے ہر مجتہد مستنبط شدہ حکم کے لئے شرعی مصادر سے دلیل پیش کرنے کا پابند ہوتا ہے تا کہ دیگر علماء اور مقلدین اس حکم کی صحت کی جانچ پڑتال کر سکیں۔ یہ ایک غلط سوچ ہے کہ اجتہاد اس مسئلے کے بارے میں کیا جاتا ہے جو شرعی مصادر میں بیان نہ کیا گیا ہو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت کسی بھی مسئلے پر خاموش نہیں ہے۔ اجتہاد ہر اس مسئلے میں درکار ہے جس میں شرعی نصوص سے ایک سے زائد معنی کا احتمال ہو یعنی جس کے بارے میں قطعی دلیل کے بجائے ظنی دلیل ہو۔ چنانچہ مجتہد غالب ظن کی بنیاد پر ان مسائل میں لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز اور روزے جیسے مسائل پر مجتہدین نے اجتہاد کے ذریعے تفصیلی احکامات استنباط کئے ہیں گو کہ یہ کوئی نئے مسائل نہیں اور مسلمان یہ مناسک رسول اللہ ﷺ کے دور سے ادا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کے برعکس ختم نبوت، سود کی حرمت، چور کے ہاتھ کاٹنے، زانی کو سو درے لگانے وغیرہ جیسے قطعی احکامات اور عقائد پر کسی قسم کا اجتہاد نہیں ہوسکتا کیونکہ ان تمام احکامات پر شرعی نصوص واضح اور روایت کے لحاظ سے قطعی ہیں اور ان میں مفہوم کے لحاظ سے کسی قسم کا کوئی ابہام یا ظن موجود نہیں۔

● ریاست میں فقہی اختلاف کی مکمل اجازت ہوگی سوائے قطعی احکام اور عقائد کے، کیونکہ ان میں اختلاف سے ایک شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جیسا کہ قادیانیوں کا معاملہ ہے۔ چنانچہ تمام مسالک مثلاً حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جعفری اور زیدی وغیرہ کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مسلک کے مطابق ذاتی امور، نکاح عبادات وغیرہ ادا کرنے کی پوری اجازت ہوگی۔

کسی اختلافی مسئلے میں ریاست کسی مخصوص رائے کو صرف اسی وقت اختیار (تبنی) کرتی ہے اگر اس مسئلے کا تعلق معاشرے کے اجتماعی پہلوؤں سے ہو یا اس کا تعلق نظام سے ہو۔ عموماً انفرادی پہلوؤں اور عبادات سے متعلق احکامات پر ریاست کوئی خاص فقہی رائے اختیار یا نافذ نہیں کرتی۔ چنانچہ مسلمانوں کو ان کے ذاتی مسائل اور عبادات میں کسی بھی درست اجتہاد پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی خواہ وہ صلاحیت رکھنے کی صورت میں خود اجتہاد کریں یا کسی مجتہد کی پیروی کریں۔ نظام سے متعلقہ اسلامی احکامات ریاست قوت دلیل کی بنیاد پر اختیار (تبنی) کرتی ہے جو ریاست کے تمام شہریوں پر یکساں طور پر نافذ کیا جاتا ہے۔ مزید برآں عوام کے پاس ریاست کے نافذ کردہ احکامات کی شرعی حیثیت کو چیلنج کرنے کا اختیار ہوتا ہے جس پر قاضی مظالم کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔

● ریاست ذرائع ابلاغ کو اسلام کی تشہیر وتعلیم اور امت کی سیاسی بیداری اور یکجہتی کے لیے استعمال کرے گی۔ نیز پرائیویٹ اور ریاستی ذرائع ابلاغ کو حکمرانوں کے محاسبے کی کھلی اجازت ہوگی۔

● ایک ذمی (غیر مسلم شہری) کی جان، مال، عزت کو تحفظ فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ انہیں جیسا چاہیں اعتقاد رکھنے اور اپنے مذہبی رسوم کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

مندرجہ بالا نکات خلافت کے نظاموں اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی سوسائٹی کی ایک جھلک فراہم کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے یہ تمام نکات کسی بھی انسان کی ذہنی اختراع نہیں بلکہ یہ سب قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس سے اخذ کئے گئے ہیں۔ میں نے اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرعی دلائل پیش نہیں کئے۔ قارئین کو اگر کسی بھی نکتہ کی دلیل درکار ہو تو وہ www.hizb-ut-tahrir.org سے حزب التحریر کی کتب ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں جس میں تفصیلاً شرعی دلائل کی بحث موجود ہے۔

□□□

## ’خلافت کو لانا فرمانِ مصطفیٰ ہے‘

(نعیم قیصر بھٹی)

بنیادِ اسلام خلافت سے ہے
تشہیرِ اسلام خلافت سے ہے

دنیا میں امن خلافت سے ہے
اسلامی چمن خلافت سے ہے

جمہوریت ہے کفر، بتائیں گے سب کو
دل سے سب کے، ہٹائیں گے اس کو

کفر نظام سے ہے ہر سُو تباہی
ہے جمہوریت نے ہی محبت مٹائی

جمہوریت مٹائیں خلافت کو لائیں
اسلام پھیلائیں دنیا پر چھائیں

خلافت کو لاؤ یہ فرض اپناؤ
اک ریاست بناؤ سرحدیں مٹاؤ

خلافت کو لانا فرمانِ مصطفیٰ ہے
گر سمجھو تو جانو یہ حکمِ خدا ہے

جو کریں نہ یہ پورا گنہگار ہونگے
ہو نہ جو پورا تو خوار ہونگے

اپنا تو یہی اک پیغام ہے بھٹی
خلافت کو لانا ہی کام ہے بھٹی

□□□

# چودہ سو سال گزرنے کے بعد خلافت کا نظام کیونکر قابل عمل ہے؟

گزشتہ صدی میں اشتراکیت کے داعیوں نے ارتقاء کے فلسفے کی بڑی شد و مد سے تشہیر کی یہاں تک کہ مسلم مفکرین بھی اس سوچ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ خلافت کا نظام اور اللہ کے احکامات چودہ سو سال پہلے کے زمانے کے لئے تو بہت اچھے تھے لیکن چونکہ انسان اور معاشرے نے ارتقاء کی کئی منزلیں پھاند لی ہیں اس لئے ہمیں بھی اسلامی احکامات میں ''ریفارم'' لانا ہوگا۔ لہذا وقت کے بدلنے اور انسانی ارتقاء کا واویلا مچا کر ہمیں تلقین کی جاتی ہے کہ اب خلافت کا نظام بعینہ جیسے وہ نازل ہوا تھا نافذ نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس میں ''تبدیلی'' یا ''بہتری'' لانے کے لئے اجتہاد کا سہارا لینا ہوگا۔ آجکل جب بھی خلافت اور شریعت کی بات کی جاتی ہے تو ہمارے ترقی پسند یا سیکولر حضرات فوراً ہی معاشرے کو ساتویں صدی میں لے جانے کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان حضرات میں اوروں کے علاوہ پرویز مشرف اور کفار میں سے ہمارے ''خیر خواہ'' جارج بش، جنرل جان ابی زید اور ہنری کسنجر بھی شامل ہے۔ اس بحث کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہمیں دو پہلوؤں کا بغور جائزہ لینا ہوگا۔ اولاً یہ کہ خلافت کے نظام میں لاگو اللہ کے احکامات کا ہدف کیا ہے؟ دوئم یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ آخر کیا چیز بدلتی ہے؟

### وحی کا ہدف - انسانی تعلقات کی تنظیم:

بے شک قرآن اور سنت میں کائنات اور سائنس کے چند اصولوں اور قوانین کا ذکر موجود ہے لیکن قرآن کا مقصد انسان کو سائنس پڑھانا نہیں۔ اگر یہی ہوتا تو مدینہ آج سے 1400 سال پہلے سائنس کا اتنا عظیم مرکز ہوتا جتنا آج بھی دنیا کا کوئی ملک نہیں اسلئے کہ صحابہؓ سے بہتر اسلام کی سمجھ کسی کو بھی نہیں۔ اور نبی ﷺ اور خلفاء راشدین دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان ہوتے۔ وحی کا ہدف انسانی تعلقات کو درست انداز میں منظم کرنا ہے تا کہ انسان ظلمت سے نکل کر نور میں داخل ہو اور اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ اسلام کے احکامات انسان کے تمام تعلقات کو بدرجہ اتم منظم کرتے ہیں۔ یہ انسانی تعلقات تین طرح کے ہیں۔ انسان کا اپنے ساتھ تعلق، انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق اور انسان کا اپنے خالق کے ساتھ تعلق۔ کھانا پینا، لباس، طہارت، صفائی ستھرائی وغیرہ سے متعلق احکامات انسان کے اپنے ساتھ تعلق کو منظم کرتے ہیں۔ اسی طرح معاشی نظام، عدالتی نظام، حکومتی نظام، خارجہ پالیسی وغیرہ سے متعلق اسلامی احکامات انسان کے تعلقات کو دنیا کے دیگر انسانوں کے ساتھ احسن طریقے سے استوار کرتے ہیں۔ جبکہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ، الغرض تمام عبادات انسان کا اپنے خالق کے ساتھ رشتہ و تعلق استوار کرتی ہیں۔ آیئے اب اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا یہ تعلقات جنہیں استوار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں احکامات دیئے ہیں تبدیل ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس کا دارومدار اس تحقیق پر ہے کہ آیا انسان اور خالق جو کہ ان تینوں تعلقات کی اکائیاں ہیں وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل ہونگے یا نہیں؟

### وقت گزرنے کے ساتھ انسانی فطرت تبدیل ہوتی ہے اور نہ ہی خالق:

وقت گزرنے سے انسان بحیثیت انسان تبدیل نہیں ہوتا۔ آج سے چودہ سو سال قبل کے انسان کی بھی وہی بنیادی ضروریات تھیں جو آج کے انسان کی ہیں۔ آج کا انسان بھی کھانے پینے، جاگنے سونے، سانس لینے جیسی حاجاتِ عضویہ کو پورا کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ صدیوں قدیم شخص ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مجبور تھا۔ اسی طرح زر، زمین اور زن کی چاہت، جاہ و حشمت کی خواہش، امن و تحفظ کے لئے تگ و دو، خوف، لالچ، محبت، رحم دلی وغیرہ انسان میں موجود مخصوص جبلتوں کے مظاہر ہیں۔ انسانی جبلتیں نہ کبھی بدلی ہیں اور نہ ہی مستقبل میں کبھی تبدیل ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ تمام حاجات عضویہ اور جبلتیں انسان کی ذات کا جزو لاینفک ہیں۔ پوری دنیا میں ہر جگہ کا انسان ایک ہی قسم کی بنیادی خصوصیات (یعنی حاجات عضویہ اور جبلتوں) کا حامل ہے جو اسے کسی بھی دوسری مخلوق (specie) سے ممتاز کرتی ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ انسان کے یہ خواص کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتے اور انسان بحیثیت انسان وہی ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل تھا۔ یہ حقیقت بھی سب جانتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ خالق میں بھی کسی قسم کا تغیر یا تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو تبدیلی یا تغیر پذیر ہوتی ہے وہ ازلی نہیں ہوتی جبکہ خالق ازلی اور ہمیشہ رہنے والی ہستی کا نام ہے۔

### انسانی تعلقات اور ان سے متعلق شرعی احکامات وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے:

چنانچہ اگر وقت کے گزرنے کے ساتھ نہ انسان بحیثیت انسان تبدیل ہوا اور نہ ہی خالق میں تبدیلی آئی تو پھر انسان کے اپنے ساتھ تعلق، انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق اور انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق میں تبدیلی کیسے آ سکتی ہے؟ اگر ان تعلقات کی اکائیاں (یعنی انسان اور خالق) نہ بدلیں تو پھر ان کے باہمی تعلقات بھی نہیں بدلتے مثلاً میاں اور بیوی، ماں اور بیٹا، بہن اور بھائی، مشتری اور بائع، حاکم اور رعایا، وکیل اور مؤکل وغیرہ کے تعلقات اس وقت موجود رہیں گے جب تک انسان ایک معاشرے کی شکل میں زندگی گزارتا رہیگا۔ اسی طرح اسلامی ریاست کا دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلقات، ریاست اور غیر مسلم شہریوں کا تعلق وغیرہ بھی وقت کی قید سے آزاد ہیں اور یہ اس وقت موجود

ہونگے جب ایک اسلامی ریاست کا وجود ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ مذکورہ بالا تینوں طرح کے تعلقات میں کوئی تغیر وتبدیلی نہیں آئی۔ اسی طرح ان تعلقات کو منظّم کرنے کے لئے دیئے گئے اسلامی احکامات میں بھی کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ پہلے بھی مرد وعورت کے تعلقات کو منظّم کرنے کے لئے احکامات درکار تھے اور آج بھی نکاح اور زنا وغیرہ سے متعلق اسلامی احکامات قابل عمل ہیں۔ اسی طرح نان ونفقہ یا ولدیت، فرزندی، وراثت، تحویل، محارم اور عصبة سے متعلق اسلامی احکامات قابل عمل ہیں۔ اسی طرح میراث، شراکتی کاروبار، کرنسی، زمینوں سے متعلق احکامات، توانائی سے متعلقہ ذرائع کی عوامی ملکیت سے متعلق احکامات، مال ذخیرہ کرنے کی ممانعت سے لے کر شرعی حدود، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، علم کے حصول کا فرض ہونے وغیرہ کے احکامات میں کسی تغیر وتبدیلی کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ شراب نوشی، سود خوری، کمار بازی، معصوم شہری کا قتل، زنا، لواطت، جھوٹ، غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانا، کافروں کی سرکردگی میں جنگ لڑنا وغیرہ جیسے حرام افعال وقت گزرنے کے ساتھ کبھی بھی حلال نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح نماز کے احکامات ہوں، یا حج، زکوٰۃ، صوم وغیرہ جیسی عبادات؛ زمان ومکاں کی تبدیلی انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق منظّم کرنے کے طریقہ کار میں بھی تغیر وتبدیلی نہیں لاسکتی۔ نہ ہی اخلاق واطوار، کھانے پینے میں حلال وحرام، پردہ، تبرج کے احکامات میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ دراصل انسانوں کے باہمی تعلقات اور انسانوں کا رب سے تعلق دونوں ناقابل تغیر ہیں۔ پس تمام احکامات الٰہیہ میں وقت گزرنے کے ساتھ کسی قسم کی ''بہتری'' یا ''ریفارم'' کی گنجائش ہے نہ ہی ضرورت کیونکہ یہ محدود انسانی عقل کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ یہ خالق العلیم اور الخبیر کے عطا کردہ ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل بھی درست تھے اور آج بھی درست ہیں۔

**وقت گزرنے کے ساتھ انسانی تعلقات میں نہیں بلکہ فقط ٹیکنالوجی اور اشیاء میں تبدیلی رونما ہوتی ہیں:**

جہاں تک کائنات میں انسان کے علاوہ دیگر اشیاء کا تعلق ہے تو ان میں انسان اپنے علم اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی بدولت تبدیلی اور بہتری لاتا ہے۔ نیز انسان ان اشیاء کو محض ان تعلقات کو پورا کرنے کے لئے بطور ذرائع استعمال کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان اپنے محسوسات اور تجربات کے ذریعے علم میں اضافہ کرتا ہے اور پھر اس علم کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ اپنے اردگرد موجود خام مال (raw material) سے پہلے سے بہتر اشیاء بناتا ہے۔ چنانچہ یہ اشیاء ہی ہیں جو زمان ومکاں کے بدلنے سے عموماً بدلتی ہیں اور اس پر قیاس کر کے کچھ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ انسان اور اس کے تعلقات بھی بدل گئے ہیں۔ چنانچہ آج سے صدیوں پہلے بھی انسان خرید وفروخت اور تجارت کرتا تھا اور آج بھی وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دیگر انسانوں سے یہ تعلق استوار کرتا ہے۔ صدیوں پرانے انسان کو اگر تجارت کے لئے سفر کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ گھوڑے استعمال کرتا جبکہ آج وہ جہاز کے ذریعے سالوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرتا ہے۔ چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی دوسرے انسان کے ساتھ خرید وفروخت یا تجارت کی ضرورت نہیں بدلی بلکہ اس ضرورت اور تعلق کو پورا کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے گئے وہ بدل گئے ہیں۔ یعنی گھوڑے کی جگہ ہوائی جہاز نے لے لی۔ یہی وجہ ہے کہ جو احکامات خرید وفروخت کے تعلق کو استوار کرنے کے لئے اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے دیئے تھے وہ آج بھی نافذ العمل رہیں گے۔

لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ جو چیز تبدیل ہوتی ہے وہ علم اور ٹیکنالوجی ہے جس کی وجہ سے اشیاء (finished goods) کی ہیت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور انسان ان نئی اشیاء کی مدد سے اپنے دائمی تعلقات کو انہی ابدی قوانین کے تحت استوار کرتا ہے جو اللہ نے اسے عطا کئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ تغیر وتبدیلی نہ تو انسان میں آتی ہے اور نہ ہی خالق میں بلکہ تغیر وترقی اشیاء (finished goods) کی ہیت میں آتی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس تبدیلی کو ارتقاء بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ارتقاء کا عمل ترقی کے عمل سے چنداں مختلف ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ اشیاء (finished goods) وہ ذرائع ہی ہیں جنہیں استعمال کر کے انسان اپنے تعلقات کو استوار اور ضروریات (خرید وفروخت یا تجارت) کو پورا کرتا ہے لیکن ان اشیاء کی ہیت میں تبدیلی انسانی تعلقات کو نہیں بدلتی بلکہ ان تعلقات کو پورا کرنے کی کیفیت یا انداز (style) بدل جاتے ہیں۔

یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اسلام نے اشیاء، سائنس اور ٹیکنالوجی کو عمومی طور پر مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ تمام نئی اشیاء اور ٹیکنالوجی مباح ہیں سوائے ان کے جن کے بارے میں قرآن وسنت نے تخصیص کرتے ہوئے انہیں حرام قرار دیا ہو۔ پس ٹینک، جہاز، کمپیوٹر، ٹی وی، ڈش وغیرہ سب حلال ہیں کیونکہ ان کو حرام قرار دینے کے لئے قرآن وسنت میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی۔ اسی طرح نیوٹن، آئن سٹائن اور دیگر سائنسدانوں کے دیئے گئے قوانین کو اپنانا جائز ہے سوائے ان سائنسی اصولوں کے جو اسلام کے عطا کردہ اصولوں سے متصادم ہوں مثلاً ڈارون کی انسانی ارتقاء کی تھیوری، انسانی کلوننگ وغیرہ جن کے خلاف قرآن میں آیات موجود ہیں۔ یوں اسلام نئی اشیاء کے بارے میں ایسے عمومی احکامات دیتا ہے جن کی وجہ سے اسلام زمان ومکاں کی قیود سے ماوراء ہو جاتا ہے۔

پس چونکہ نظام خلافت میں نافذ کئے جانے والے اسلامی احکامات کا ہدف انسانی تعلقات کی تنظیم ہے اور یہ انسانی تعلقات رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ لہٰذا خلافت کا نظام، جس میں حکومتی نظام، اقتصادی نظام، معاشرتی نظام، عدالتی نظام، تعلیمی اور خارجہ پالیسی نافذ کی جاتیں ہیں، آج بھی ان انسانی تعلقات کو بدرجۂ اتم منظّم کریگا۔ نیز اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ ان قوانین کے نفاذ کے لئے ذرائع میں تبدیلی یا ترقی انتظامی قوائد وضوابط کے تحت ممکن ہے جیسے حضرت عمرؓ نے فارس سے دیوان کا نظام (دفتری نظام) اپنایا تھا۔ چنانچہ خلافت آج بھی پہلے کی طرح قابل عمل ہے اور انسانیت کو بعینہٖ اس طرح انصاف مہیا کریگی جس طرح آج سے 1400 سال پہلے اس نے انسانیت کو ظلم سے نجات دلائی تھی۔

□□□

# نیگروپونٹے کی نظریں پاکستان پر؟

میگزین رپورٹ

مشرف کے واضح جھکاؤ کے باوجود امریکہ اس مسلم ملک کو تشویش ناک نظروں سے دیکھتا ہے اور اب تو وہ پاکستان کو براہِ راست دھمکا رہا ہے۔ جنوری کے دوسرے ہفتے میں ایوانِ نمائندگان میں ڈیموکریٹس نے ایک بل پاس کیا ہے جو اس بات کی سفارش کرتا ہے کہ 9/11 کمیشن کی ترجیحات پر عمل درآمد کرایا جائے۔ پاکستان سے متعلق سیکشن 1442 امریکہ کی پاکستان کو دفاعی امداد پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ جس کے تحت پاکستان سے متعلق کچھ شرائط کی بنیاد پر امریکی صدر پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پاکستان سے متعلق ان شرائط کی بنا پر اس امداد کو روکے یا اجازت دے۔ ان شرائط کی رو سے صدر اس بات کو یقینی بنائے گا کہ حکومتِ پاکستان اپنے علاقے میں خصوصاً چمن، کوئٹہ، فاٹا اور سرحد میں طالبان کو کاروائیوں سے روکے گی۔

امریکہ کا صدر یہ بھی یقینی بنائے گا کہ پاکستان ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکے گا، باوجود اس کے کہ انڈیا اور امریکہ نے حال ہی میں ایک ایٹمی ڈیل کی ہے۔ مزید شرائط میں پاکستان پر لازم ہے کہ وہ ''اسلامک انتہاپسندوں'' سے مؤثر طور پر نپٹے اور ملک میں ''سیکولر پبلک سکولز'' کا قیام عمل میں لائے تا کہ پاکستان کے اسلامی تشخص کو دبایا جا سکے۔

اس بل میں ان الفاظ کو دہرایا گیا ہے جو کونڈا لیزا رائس کے موجودہ نائب جان نیگروپونٹے نے اپنے اس بیان میں استعمال کیے تھے جسے اس نے 11 جنوری کو انٹیلی جنس پر سینٹ کی سیلیکٹ کمیٹی کے سامنے دیا تھا۔ اس بیان میں اس نے پاکستان پر یہ الزامات عائد کئے کہ پاکستان ''اسلامی انتہا پسندی کا ایک بڑا ذریعہ''، طالبان کے لیے ایک محفوظ جنت اور دہشت گردوں کے کچھ سربراہوں کا گھر ہے۔

نیگروپونٹے نے ان واشگاف الفاظ میں امریکی دھمکی کو بیان کیا کہ ''طالبان اور دوسرے انتہاپسندوں کی محفوظ جنت جو پاکستان کے قبائلی علاقے ہیں، کو ختم کرنے سے اگر چہ افغانستان میں مداخلت ختم نہیں ہو گی مگر یہ انتہائی ضروری ہے''

بل میں یہ دھمکی مزید واضح ہو کر سامنے آئی ہے جہاں پر نیگروپونٹے نے ''انتہاپسندوں'' کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کا مسئلہ بھی اٹھایا ہے۔ اس نے بیان کیا کہ ''پاکستان اس وقت تک، جب تک ہم نے ڈاکٹر قدیر خان کے نیٹ ورک کو توڑ نہیں دیا، ایٹمی پھیلاؤ کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ امریکہ ہی ہے کہ جس نے ڈاکٹر قدیر کا نیٹ ورک توڑنے کے لیے پاکستان کے معاملات میں مداخلت کی اور وہ ایسا دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے مزید کہا ''جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کئی ریاستیں نیوکلئیر ہتھیاروں پر کام کر رہی ہیں کیونکہ ماضی میں ان کا رابطہ ڈاکٹر قدیر خان کے نیٹ ورک سے تھا، جب وہ متحرک تھا۔'' دوبارہ یہ اندازِ بیان وہی ہے جو کہ بل کے اندر موجود شرائط کے الفاظ میں استعمال کیا گیا ہے جہاں پر تحریر ہے کہ ''پاکستان کی طرف سے ایٹمی ہتھیاروں اور میزائل ٹیکنالوجیز کے پھیلاؤ کے لیے نیٹ ورک کا بنانا، اس پاکستان سے مطابقت نہیں رکھتا جسے امریکہ کا اتحادی گردانا جاتا ہے''

اس کے بالکل برعکس انڈیا کے معاملہ میں یہ واضح ہے کہ امریکہ کے پالیسی ساز اسے دوسرے جنوب ایشیائی ممالک میں دخل اندازی کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔ نہایت پسندیدگی کے انداز میں نیگروپونٹے بیان کرتا ہے کہ ''نئی دہلی علاقے میں جمہوریت نافذ کرنے کے لیے عمل پیرا ہے خصوصاً نیپال اور بنگلہ دیش میں اور وہ عالمی دہشت گردی کے خلاف ہمارا اہم اتحادی بنا رہے گا۔''

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ جان نیگروپونٹے کون شخص ہے؟

مسٹر جان ڈمٹرس نیگروپونٹے ایک یونانی نژاد امریکی سیاست دان ہے اور وہ یہودی ہے۔ ایک میگزین "Counterpunch" میں معروف رائٹر غالی حسن لکھتے ہیں کہ ''سپین کے میرے ایک دوست نے مجھ سے اپنی گہری فکر کا اظہار کیا ہے: ایک یہودی کو عرب علاقے میں سفیر کے طور پر تعینات کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی آگ کو پٹرول سے بجھانے کی کوشش کی جائے۔''

نیگروپونٹے 1985-1981 کے عرصے میں ہاؤنڈرس (لاطینی امریکہ) میں امریکی سفیر رہے ہیں۔ یہ وہ عرصہ ہے جب ہاؤنڈرس کی امریکی امداد برائے دفاع 5 ملین ڈالر سے بڑھ کر تقریباً 100 ملین ڈالر تک پہنچ گئی تھی اور معاشی امداد 200 ملین ڈالر سے بڑھ گئی تھی، جس نے ہاؤنڈرس کو علاقے میں سب سے زیادہ امریکی امداد لینے والا ملک بنا دیا تھا۔ ہاؤنڈرس نے ہی ریگن انتظامیہ کو سینٹرل امریکہ میں ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے وحشیانہ پروگرام کے لیے پلیٹ فارم مہیا کیا تھا۔ امریکی پشت پناہی سے ہونے ان پُرتشدد اور ظلم آمیز پروگرام کی ہیوگو میں بین الاقوامی عالمی عدالت نے بھی مذمت کی تھی۔

جب نیگروپونٹے ہاؤنڈرس میں تعینات تھا اس وقت ہاؤنڈرس میں فوجی ڈکٹیٹر شپ تھی۔ اغوا، جنسی زیادتیاں، تشدد اور مخالفین پر ظلم و جبر عام تھا۔ فوج کے اعلیٰ اور درمیانے درجے کے عہدے دار امریکی تربیت یافتہ تھے، جنہیں سکول آف امریکہ (SOA) جو CIA کا دوسرا نام ہے اور جو جارجیا میں فورٹ بینگ کے مقام پر واقع ہے، میں تربیت دی گئی۔ سکول آف امریکہ کے گریجویٹس ہی لاطینی امریکہ میں مخالفین پر بدترین ظلم و زیادتی کے ذمہ دار ہیں۔ اس کے ساٹھ ہزار تعلیم یافتہ میں سے کچھ بدنام زمانہ یہ ہیں: پنامہ کے مینوئل نا ریگا اور عمر توریجوس، ارجنٹینا

بقیہ صفحہ نمبر 25 پر

# کشمیر کا سودا - اکھنڈ بھارت کا پودا

میگزین رپورٹ

2 مارچ 2007ء کو عوامی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے جنرل مشرف نے کشمیر سے متعلق اپنے منصوبے کو ان الفاظ میں دہرایا کہ ''ہمیں کشمیر پر آئر لینڈ کی طرز پر حل قبول ہے'' اور مزید ہندوؤں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ ان کے مفاد میں کام کر رہا ہے، مشرف نے کہا کہ ''من موہن سنگھ کو چاہیے کہ وہ اپنی قوم کو سمجھائے کہ یہ ان کے بھی مفاد میں ہے۔'' اس سے قبل جنرل مشرف کا بھارتی ٹی وی کو دیا گیا انٹرویو اور وزارت خارجہ کی ترجمان، تسنیم اسلم کا کشمیر سے دستبرداری پر مبنی بیان نے بھی عوامی حلقوں میں طوفان بپا کر رکھا تھا۔ یہ بیانات پاکستان کے دیرینہ موقف سے مکمل روگردانی کے مترادف ہیں۔ نیز مسئلہ کشمیر پاکستانی مسلمانوں کے لئے ایک جذباتی مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات پورے خطے کے معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی حالات پر بھی ہوں گے۔ آیئے ایک نظر جنرل مشرف کے ان چار نکات پر ڈالیں جن کے قبول کئے جانے کی صورت میں انہوں نے کشمیر پر پاکستان کے دعوے سے دستبرداری کا عندیہ دیا ہے۔ نیز اس گتھی کو بھی سلجھانے کی کوشش کریں کہ آخر حکمران مسئلہ کشمیر کو جیسے تیسے ''حل'' کرنے میں اس قدر تیزی کا کیوں مظاہرہ کر رہے ہیں۔

این ڈی ٹی وی کو دیئے گئے انٹرویو میں جنرل مشرف نے درج ذیل چار نکات پیش کئے:

1) کشمیر کی سرحدوں میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے
2) سرحدیں اور لائن آف کنٹرول بے معنی بنا دی جائیں
3) بتدریج فوجوں کا انخلاء عمل میں لایا جائے
4) پاکستان اور بھارت کی مشترکہ نگرانی میں خود مختاری یا سیلف گورننس کا طریقہ کار وضع کیا جائے

جنرل مشرف ان چار نکات کو اپنی تجاویز قرار دے رہے ہیں جبکہ درحقیقت یہ عین بھارتی موقف ہے۔ پاکستانی اور کشمیری مسلمان ان چار نکات کے حصول کے لئے پچاس سے سال سے جدوجہد نہیں کر رہے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے من موہن سنگھ ہی تھا جس نے کہا تھا: "Borders cannot be redrawn but we can work towards making them irrelevant" ''سرحدیں تبدیل نہیں کی جاسکتیں لیکن ہم مل کر انہیں بے معنی ضرور بنا سکتے ہیں''۔ اور آج مشرف بھی انہی دونوں نکات کو اپنے چار نکاتی ایجنڈے میں سرفہرست رکھ رہا ہے۔ جہاں تک جنرل مشرف کے تیسرے نکتے کا تعلق ہے یعنی ''بتدریج فوجوں کا انخلاء'' (Staggered demilitarization) تو بھارت تو خود اپنی پانچ لاکھ سے زائد فوج کو کشمیر سے نکالنا چاہتا ہے جو کئی سالوں سے کشمیر میں پھنسی ہوئی ہے جس کے افسر آئے دن خودکشیاں کرتے رہتے ہیں۔ مزید برآں کشمیریوں نے ستر ہزار سے زائد جانوں کا نذرانہ محض اس لئے نہیں دیا تھا کہ وہ ایسے مقبوضہ کشمیر میں زندگی بسر کرنا چاہتے تھے جس میں بھارت کا تسلط تو برقرار رہے مگر فوجوں کی تعداد محدود ہو!

رہی بات مشرف کی چوتھی اور آخری تجویز کی تو کیا عوام نہیں جانتے کہ ماضی میں بھارت باڈر تبدیل کئے بغیر کشمیریوں کو سیلف گورننس کے ذریعے محدود خودمختاری کی آفر کئی دفعہ کر چکا ہے۔ کیا آج بھی مقبوضہ کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت کشمیریوں کے سیلف رول پر ہی مشتمل نہیں؟ تو پھر بھارتی غلامی میں سیلف رول سے کشمیریوں کو کیا مزید حاصل ہوجائیگا جو پہلے حاصل نہ تھا؟ ایسے میں مشرف کے تیسرے نکتے یعنی کشمیروں کی سیلف گورننس اور پاک بھارت مشترکہ کنٹرول، کا بھی بھانڈہ پھوٹ جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ کہاں سے مستعار لیا گیا ہے۔ جہاں تک مشترکہ کنٹرول کا تعلق ہے تو اس منصوبے کے تحت بھارت کا اثر و رسوخ آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات تک پھیل جائیگا۔ آج مشرف کی وجہ سے پاکستان کو لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ مشرف نے آہستہ آہستہ بھارت کے تمام مطالبات تسلیم کر کے کشمیر پر یوٹرن مکمل کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ اب وہ بھارتی موقف کو اپنا موقف بنا کر پیش کر رہا ہے تاکہ عوام کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ مذاکرات کی میز پر بھارت کی نہیں بلکہ پاکستان کی جیت ہوئی ہے۔ مشرف نے دورۂ بھارت کے دوران اسی یوٹرن کا یہ کہہ کر اعتراف کیا تھا کہ وہ اس دفعہ ''نیا دل'' لے کر آیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حکومت کشمیر کو فوراً اور کسی بھی طریقے سے ''حل'' کرنے کے لئے اتنا کیوں زور لگا رہی ہے؟ آخر مسئلہ کشمیر کو سب کچھ داؤ پر لگا کر دفن کرنے کی اچانک کیا مجبوری آن پڑی ہے؟ ہم نے 50 سال تک انتظار کیا ہے تو اب اتنی بے چینی کیوں؟ مشرف کے دور میں پاکستان نے اقوام متحدہ کی قراردادوں سے دستبرداری کا اعلان کیا، جہادی تنظیموں پر پابندی لگائی، بھارت کو باڑ لگانے کی اجازت دی، مقبوضہ کشمیر کی کٹھ پتلی انتظامیہ کو کشمیر کی نمائندہ قیادت تسلیم کر کے پاکستان مدعو کیا، آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو بھی متنازعہ تسلیم کیا اور اب پاکستان ستر ہزار سے زائد شہیدوں کے خون کو نظر انداز کر کے ''مشترکہ کنٹرول'' اور ''ڈی ملٹرائزیشن'' کے نام پر مقبوضہ کشمیر ہی نہیں بلکہ آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات پر بھی بھارتی تسلط قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ شمالی علاقہ جات سے ہاتھ دھونے کی صورت میں پاکستان کا چین سے براہ راست زمینی تعلق بھی منقطع ہوجائیگا۔ درحقیقت کشمیر پر مشرف کی بے چینی اور عجلت امریکی عجلت اور پریشانی کو ظاہر کرتی ہے۔ آج کشمیر خطے میں امریکی مفادات کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ جب تک کشمیر کو کسی بھی طریقے سے دفن نہ کرلیا جائے امریکہ اپنے دیگر اہم مقاصد میں کوئی خاطر خواہ پیشرفت نہیں

کرسکتا۔ امریکہ کے خطے میں دیگر مفادات کے علاوہ تین بڑے اور سٹریٹیجک اہداف ہیں جو درج ذیل ہیں:-

اولاً: **پاکستان میں پھیلتی ہوئی اسلام پسندی اور جذبہ جہاد کا سدباب کرتے ہوئے امریکہ اور مغرب زدہ نئی نسل تیار کرنا:** یہ امریکہ کی اسلام کے خلاف جاری عالمی جنگ کا ایک اہم ہدف ہے اور اسی پالیسی کو امریکہ دیگر مسلم ممالک میں بھی نافذ کر رہا ہے۔ چنانچہ امریکی ایماء پر ''سافٹ امیج'' کے نام پر اس خطے کے مسلمانوں کا اسلامی تشخص تبدیل کر کے انہیں اور ان کی نئی نسل کو امریکہ اور مغرب دوست بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے باقی ماندہ جہادی کیمپوں اور اسلامی تنظیموں کا صفایا، مدرسہ ریفارمز اور تعلیمی نصاب کی تبدیلی وغیرہ نہایت ضروری اقدامات ہیں جن پر تیزی سے کام جاری ہے۔ لیکن امریکہ ان اقدامات کے باوجود کشمیر کے مسئلے کی موجودگی میں عوام میں جہاد سے رغبت اور امریکہ سے نفرت میں کوئی خاطر خواہ کمی نہیں لا سکتا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشرف صاحب کئی مرتبہ فرما چکے ہیں کہ انتہا پسندی کو روکنے کے لئے کشمیر اور فلسطین کا مسئلہ حل کرنا ضروری ہے۔ نیز امریکی تھنک ٹینک بھی امریکی حکومت کو یہ عندیہ دے چکے ہیں کہ جب تک کشمیر، فلسطین، چیچنیا وغیرہ جیسے مسلمانوں کے سیاسی مسائل دفن نہ ہونگے اس وقت تک ''انتہا پسندی'' (extreamism) اور اسلام پسندی (radicalism) میں کمی نہیں آئیگی۔

ثانیاً: **پاکستان کا ایٹمی پروگرام رول بیک کرنا۔** امریکہ کسی صورت بھی پاکستان جیسے بڑے اور عسکری لحاظ سے مضبوط مسلم ملک کے پاس ایٹمی ہتھیار برداشت نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کونڈا لیزا رائس نے اپنی سینیٹ کنفرمیشن ہیئرنگ کے دوران ایک سوال کے جواب میں صاف کہا تھا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے لئے ان کے پاس ایک ''ہنگامی منصوبہ'' ہے جو وہ اس کھلے سیشن میں پیش نہیں کرنا چاہتیں۔ نیز مشرف کے ذریعے امریکہ پہلے ہی ڈاکٹر عبد القدیر سے ایٹمی پھیلاؤ کا ''اعتراف جرم'' کروا چکا ہے۔ سینٹری فیوج کے پرزے IAEA کے حوالے کئے جانے کے بعد پاکستان کا تعلق ایران اور شمالی کوریا کے جوہری پروگراموں سے بھی جوڑا جاچکا ہے۔ نیز سب سے بڑھ کر یہ کہ مشرف نے اپنی خودنوشت میں بحیثیت حاضر سروس چیف آف آرمی سٹاف اور صدر اس بات کی سرکاری طور پر تصدیق کر دی ہے کہ پاکستان ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث رہا ہے اور پاکستان ایک انتہا پسند ریاست ہونے کی وجہ سے مغرب کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو تلف کرنے (Denuclearization) کے خطرناک منصوبے کے لئے تیاریاں خاموشی سے جاری ہیں لیکن اس میں خاطر خواہ پیش رفت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کشمیر سمیت بھارت کے ساتھ دیگر مسائل جن میں سیاچن اور سرکریک بھی شامل ہیں، دفن نہ کر دئے جائیں۔ امریکہ جانتا ہے کہ کشمیر اور سیاچن سمیت دیگر مسائل دفن کئے بغیر پاکستان کی فوج اور عوام کسی صورت بھی پر امن طریقے سے ایٹمی پروگرام اور ہتھیاروں سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ یوں کشمیر کو دفن کرنے کے بعد پاکستان کو ایک غیر ذمہ دار ملک قرار دینے کی عالمی مہم کا آغاز خارج از امکان نہیں جس میں یہ رائے عامہ بنائی جائیگی کہ پاکستان ایٹم بم جیسے ''خطرناک کھلونے'' کو سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا بھارت تو ایٹمی صلاحیت رکھ سکتا ہے لیکن پاکستان کا ایٹمی پروگرام پوری دنیا کے امن کے لئے خطرہ ہے۔ نیز یہ بھی کہ پاکستان کو آخر ایٹم بم رکھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اس کا بھارت کے ساتھ کشمیر سمیت کوئی بھی بڑا تنازعہ باقی نہیں رہا؟

ثالثاً: **''اکھنڈ بھارت'' قائم کرتے ہوئے پاکستان کی عسکری اور سیاسی طاقت کو زائل کرنا نیز اس بلاک کو چین کے خلاف استعمال کرنا:** یہ خطے میں امریکہ کا وہ طویل المیعاد (long term) منصوبہ ہے جس کے ذریعے وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا ہے۔ اول یہ کہ خطے میں سب سے زیادہ مضبوط مسلم ریاست یعنی پاکستان کو بھارت کا طفیلی ملک بنا کر مسلمانوں کی سیاسی اور عسکری طاقت کو ختم کر دیا جائے تاکہ وہ مستقبل میں خلافت قائم کر کے ایک عالمی طاقت کے طور پر نہ ابھر سکیں اور جنوبی ایشیاء اور وسط ایشیاء کے نصف ارب مسلمانوں کے لئے ایک سیاسی قوت کا سرچشمہ نہ بن سکے۔ دوئم یہ کہ کسی بھی قسم کی کنفیڈریشن کے ذریعے ''اکھنڈ بھارت'' قائم کر کے چین کو محدود رکھا جائے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لال کرشن ایڈوانی نے اپنے گزشتہ دورۂ پاکستان کے دوران فرمایا تھا کہ پاکستان کے ساتھ کنفیڈریشن ضرور قائم ہوسکتی ہے۔ پاکستان کے سینٹ کے چیئرمین بھی سنگل کرنسی کا عندیہ دے کر اس اکھنڈ کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ میر ظفر اللہ جمالی بھی اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران یہ تجویز دے چکے ہیں کہ پاکستان اور بھارت کو ایک مربوط بلاک بنا لینا چاہئے۔ جبکہ من موہن سنگھ حال ہی میں اکھنڈ بھارت سے متعلق اپنے عزائم کا ان الفاظ میں اظہار کر چکے ہیں کہ سرحدوں کو اس طور پر غیر معنی بنانا چاہئے کہ ہم صبح کا ناشتہ امرتسر میں کریں، دوپہر کا کھانا لاہور میں کھائیں اور رات کا کھانا کابل میں نوش کریں۔ یہ واضح رہے کہ اکھنڈ بھارت کے اس نئے منصوبے میں سرحدیں کلی طور پر ختم کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ انہیں اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے غیر معنی بنانا ہے۔ کیونکہ سرحدیں ختم کر کے ایک ریاست بنانا خود ہندوؤں کے مفاد میں نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں اس خطے کے 500 ملین (نصف ارب) مسلمان ایک بڑی طاقت بن کر ابھریں گے اور ممکن ہے کہ وہ 800 ملین ہندوؤں پر حکومت قائم کرلیں جیسا کہ وہ پہلے ایک ہزار سال تک اس سے بھی کم تعداد ہوتے ہوئے کر چکے ہیں۔ خاص طور پر جب ہندوؤں کی نچلی ذاتیں مسلمانوں کی منصفانہ حکومت میں رہنا پسند کرتی ہیں بہ نسبت متعصب براہمن راج کے۔ لہٰذا بھارت پاکستان کو محض ایک فلسطینی اتھارٹی کی شکل میں برقرار رکھنا چاہتا ہے جو از خود مسلمانوں کو کنٹرول کرے اور وقت پڑنے پر انہیں مشتبہ ''دہشت گرد'' پکڑ کر دے۔ گو کہ اس اکھنڈ بھارت کے لئے ابھی سے تجارتی، ثقافتی اور سفارتی سطح پر پیش رفت جاری ہے لیکن کشمیر اس منصوبے میں بھی بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس اکھنڈ

بھارت کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اس وقت زیادہ آسان ہو جائیگا جب پاکستان اور بھارت مل کر کشمیر کا ''دفاع'' کر رہے ہوں، جیسا کہ میر واعظ نے اشارہ کیا ہے اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت بھی سلب کر لی گئی ہو۔ ایسی صورت میں مشرف جیسے ''روشن خیال'' یہ ''بولڈ'' مشورہ دیں گے کہ چونکہ ہم پہلے ہی کشمیر کا مشترکہ طور پر ''دفاع'' کر رہے ہیں تو خارجی خطروں سے نمٹنے کے لئے پاکستان کو چاہیئے کہ وہ بھارت کے ساتھ مل کر کنفیڈریشن بنا لے۔ اسی طرح تجارت کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور سکھوں کے لئے سرمایہ کاری کے دروازے بھی کھولے جا رہے ہیں جس کی باضابطہ دعوت وزیر مملکت برائے توانائی امان اللہ خان جدون دورۂ بھارت کے دوران دے چکے ہیں۔ نیز پاکستان پہلے ہی اپنے توانائی کے وسائل بیچنے کا عندیہ دے چکا ہے جن میں پی ایس او، او جی ڈی سی ایل، سوئی نارتھرن اور سوئی سدرن گیس پائپ لائن وغیرہ شامل ہیں۔ ایسی صورت میں ہندو بنئے کو ہمارے توانائی کے سیکٹر میں سرمایہ کاری کرنے کی دعوت دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس دعوت پر عمل درآمد کے بعد مِل کا مالک بنیا اور مِل کا مزدور مسلمان ہوگا۔ یہ وہی خواب ہے جو ہندو صدیوں سے دیکھ رہا ہے جس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے مشرف جیسے حکمران ان کی مکمل مدد و معاونت کر رہے ہیں۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر مشرف بھارت کی طرف سے کسی بھی قسم کی لچک کے بغیر سب کچھ ہارنے کے لئے تیار ہے۔ مشرف مذاکرات کی میز پر پاکستان کی نمائندگی نہیں بلکہ امریکی مفادات کی چوکیداری کر رہے ہیں۔ امت کے پاس اب دو ہی راستے ہیں: ایک یہ کہ مسئلۂ کشمیر کو دفنانے کے عمل پر خاموش رہیں اور نتیجتاً اپنے اسلامی تشخص، ایٹمی صلاحیت اور ملکی خودمختاری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ لیکن اگر وہ اس خطے میں اسلام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور انہیں ایٹمی صلاحیت کی تلفی اور اکھنڈ بھارت کے ذریعے ہندو کی غلامی قبول نہیں، تو انہیں کشمیر پر حکومتی دستبرداری کو مسترد کرنا ہوگا۔ پس عوام کو چاہیئے کہ وہ حکومتی گماشتوں کی طرف سے مشرقی سرحدیں گرا کر بھارت میں ضم ہونے کے نعروں کو مسترد کر دیں اور اس کے بجائے وہ مغرب میں موجود اسلامی ممالک کے درمیان استعمار کی کھینچی لکیروں کو مٹا کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر بلاک قائم کرنے کے لئے متحرک ہو جائیں۔ یہ بلاک وسط ایشیاء کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر خلافت کے قیام ہی کے ذریعے ممکن ہے جہاں کے مسلمان برسوں سے خلافت کے قیام کے لئے جانوں تک کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ کراچی سے لے کر تاشقند تک پھیلی اس خلافت کے لئے کشمیر ہی نہیں بلکہ پورا ہندوستان فتح کرنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔ یوں مسلمان نہ صرف اس خطے میں ایک طاقت بن کر ابھریں گے بلکہ وہ دیگر مشرقِ وسطیٰ کی عرب ریاستوں کو ملا کر ایک عالمی طاقت بن سکیں گے۔

آج جنرل مشرف کی بدولت مشترکہ کنٹرول کے نام پر بھارت ان علاقوں پر بھی اپنا تسلط قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے جن پر بھارت تین جنگوں کے باوجود قبضہ نہ کر سکا تھا۔ آخر ایسے مذاکرات کا کیا مقصد ہے جہاں مسلمانوں کو ''لینے کے دینے'' پڑ جائیں؟ استعمار یحییٰ خان جیسے عیاش اور غدار حکمران مسلط کر کے پہلے بھی ہتھیار ڈلوا کر ہم سے ایک حصہ کاٹ چکا ہے۔ آج دوبارہ استعمار جنرل مشرف کی شکل میں حکمران مسلط کر کے بغیر جنگ کئے ''سقوط کشمیر'' کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حکومت کے بقول آج پاکستان کی فوج اتنی طاقتور نہیں کہ کشمیر آزاد کروا سکے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مذاکرات کی میز پر آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات بھی ہار دیں جو غیور مسلمانوں نے لڑ کر آزاد کروائے تھے۔ حکمران ہمیں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس دو ہی آپشن ہیں: لڑ کر کشمیر کی آزادی یا کشمیر سے دستبرداری۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیا اگر ہم آج کشمیر آزاد نہیں کروا سکتے تو آنے والی نسلیں بھی ایسا نہیں کر سکتیں؟ آخر ہم کشمیر سے دستبردار ہو کر آنے والی نسلوں سے کشمیر آزاد کروانے کا حق کیوں چھین رہے ہیں؟ ہم اگر ابھی لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تو ہمیں کشمیر پر اپنا حق برقرار رکھتے ہوئے اپنے آپ کو مضبوط کرنا ہوگا۔ چین نے بھی ہانگ کانگ حاصل کرنے کے لئے سو سال تک انتظار کیا، اس دوران اس نے اپنے حق سے دستبرداری اختیار نہیں کی۔

ہمیں امت کو یہ باور کروانا ہوگا کہ کشمیر کا مسئلہ محض کشمیر کے مسلمانوں کا نہیں بلکہ درحقیقت یہ مسئلہ اس پورے خطے کے نصف ارب مسلمانوں کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ یہ امت مسلمہ کے ایٹمی پروگرام کا مسئلہ ہے۔ اگر استعمار مسئلہ کشمیر دفن کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اس کے بعد ایٹمی رول بیک اور اکھنڈ بھارت کے مذموم منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے راہ ہموار ہو جائیگی۔ آج اگر ہم دوبارہ ہندو کی غلامی میں جانے سے اپنے آپ کو روکنا چاہتے ہیں تو ہمیں شہداءِ کشمیر کے خون سے غداری سے حکمرانوں کو روکنا ہوگا۔

ہمیں امت کو بتانا ہوگا کہ کشمیر کا حل منظم جہاد میں ہے نہ کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور مذاکرات میں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم 18 سالہ نوجوانوں کو 6 ماہ ٹریننگ دلا کر تو کشمیر بھجوا سکتے ہیں لیکن 18 سال ٹریننگ حاصل کرنے والے فوجی جوان اور افسر کشمیر کے بجائے وانا بھجوا دیئے جاتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ غوری میزائل 23 مارچ کی پریڈ کے لئے تو چمکائے جاتے ہیں لیکن انہیں کافروں کے عسکری ٹھکانوں پر نشانہ بنانے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی واحد وجہ ہمارے حکمران ہیں۔ آج استعمار کی سب سے بڑی طاقت اور امت کی سب سے بڑی کمزوری ہمارے کاسہ لیس حکمران ہیں۔ آج 1.5 ارب پر مشتمل مسلم امت، جس کے پاس امریکہ سے بھی زائد جنگی جہاز ہیں، جس کی دنیا میں سب سے بڑی فوج ہے اور جس کے پاس شوق شہادت رکھنے والے کروڑوں نوجوان موجود ہیں، اس امر پر قدرت رکھتی ہے کہ وہ کشمیر اور فلسطین سمیت اپنے تمام مقبوضہ علاقے آزاد کرالے۔ کمی صرف اس مرکزیت کی ہے جو مسلمان خلافت کے انہدام کے بعد کھو چکے ہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان کاسہ لیس حکمرانوں سے عنان اقتدار چھین کر مخلص لوگوں کے حوالے کریں جو خلافت قائم کر کے مسلمانوں کو دوبارہ وہ شان و شوکت عطا کریں گے جس کے مسلمان حقدار ہیں۔

□□□

# تحفظ خواتین بل 2006ء کے فکری اور فقہی پہلو


ڈاکٹر عبدالمعید

dr.abdulmoeed@yahoo.com


جنرل ضیاء الحق کے دور میں عوام کو بہلانے کے لیے پاکستانی قوانین کی اسلامائزیشن کے نام پر برطانوی قوانین پر چند اسلامی قوانین کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ پچھلے کچھ عرصے کے دوران حکومت، خواتین کی آزادی کی تنظیموں اور NGO's نے ان قوانین کی منسوخی کے لیے پروپیگنڈا مہم چلائی، جس میں ان قوانین کو خواتین پر تشدد اور ان سے ناانصافی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ حکومت اور ان تنظیموں نے اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے اسلام پر خوب کیچڑ اچھالا، اور وہ الفاظ اور اصطلاحات، جنہیں لوگ زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں، ان الفاظ کو میڈیا میں دکھا دکھا کر بچوں کی سطح تک عام کر دیا اور یہ ثابت کرنے کی پرزور کوشش کی کہ اسلام فرسودہ ہو چکا ہے اور اسلامی قوانین آج کے دور میں قابل عمل نہیں رہے۔ اور بالآخر پاکستان کی قومی اسمبلی نے 15 نومبر 2006ء کو اور پھر سینٹ نے 23 نومبر 2006ء کو فوجداری ترمیمی بل 2006ء (تحفظ خواتین بل 2006ء) منظور کر لیا، اور یہ بل 1 دسمبر 2006ء کو جنرل پرویز مشرف کے دستخط کے ساتھ پاکستان میں قانوناً رائج ہو گیا۔ اس تمام ترمیم کے دوران حکومت بار بار یہ دعویٰ کرتی رہی کہ یہ قانون قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ 21 نومبر 2006ء کو وفاقی وزیر اطلاعات محمد علی درانی نے کہا ''تحفظ خواتین بل قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور یہ معاشرے میں عورت کی صورتحال کو بہتر کرے گا۔'' اور 31 نومبر 2006ء کو جنرل پرویز مشرف نے اسلامی نظریاتی کونسل کی میٹنگ کے دوران کہا ''پاکستان میں کوئی بھی شخص قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' تو آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا یہ بل واقعی ہی قرآن وسنت سے مطابقت رکھتا ہے؟

اس بحث سے قبل کہ آیا یہ بل قرآن وسنت کے مطابق ہے کہ نہیں، یہ بات جاننا نہایت ضروری ہے کہ یہ بل کس کی خواہشات اور ہدایات پر منظور کیا گیا۔ امریکا اور مغربی ممالک کی دلی خواہش ہے کہ پاکستان میں رہے سہے اسلامی قوانین اور تعلیمات کو، خواہ وہ ہمارے عقوبات کے نظام میں ہوں یا تعلیمی نظام میں، بالکل نکال باہر کیا جائے۔ جس طرح پاکستانی حکومت امریکا کے کہنے پر باجوڑ اور زمزولہ میں اپنے ہی عوام پر بمباری کرتی ہے بالکل اسی طرح حکومت امریکا کی ہی ایماء پر حدود آرڈیننس کی آڑ میں طویل عرصے تک اسلام کے خلاف مہم چلاتی رہی، جس کے بعد اس آرڈیننس میں کچھ ترامیم کر دی گئیں۔ 20 ستمبر 2006ء کو نوائے وقت نے رپورٹ کیا ''امریکی محکمہ خارجہ نے چند روز قبل جو رپورٹ جاری کی ہے، اس میں امریکا نے پاکستان میں تحفظ ختم نبوت، ناموس رسالت اور حدود بل کا نہ صرف ذکر کیا ہے، بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ ان قوانین کو امریکی حکومت کی مرضی کے مطابق تبدیل کیا جائے۔'' جس کے کچھ مہینے بعد ہی حدود آرڈیننس میں امریکی خواہشات کے مطابق تبدیلیاں کی گئیں۔ حدود میں ترامیم کے بعد حکومت نے ناموس رسالت کے قانون میں بھی تبدیلی کرنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ 23 جنوری 2006ء کو پاکستانی خارجہ امور کی کمیٹی کے چیئرمین سینٹر مشاہد حسین نے کہا ''وہ قانون جو اسلام کی توہین کرنے پر سزائے موت دینے کی اجازت دیتا ہے، کو عام انتخابات کے بعد تبدیل کر دیا جائے گا۔'' چنانچہ تحفظ خواتین بل 2006ء بھی مغربی احکامات کی فرمابرداری کا نتیجہ ہے اور اپنے نام کے برعکس اس کا مقصد خواتین کے مسائل کو حل کرنا یا ان کا تحفظ کرنا ہرگز نہیں۔ اور اگر موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ہم پر نافذ رہا تو ہم آنے والے وقتوں میں دیکھیں گے کہ آزادیوں کے نام پر پاکستان کے دستور سے آٹے میں نمک کر برابر موجود اسلام کو بھی نکال دیا جائے گا۔

اب جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ خواتین بل 2006ء قرآن وسنت کے مطابق ہے، تو یہ بل کئی پہلو سے قرآن وسنت کے منافی ہے، آیئے ہم ان میں سے کچھ اہم ترامیم کا جائزہ لیتے ہیں:

1) بل کی شق 5 کے ذریعے تعزیراتِ پاکستان میں شامل کی جانے والی دفعہ 376 کے ذریعے زنا بالجبر موجب حد کی شرعی سزا کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور اب سے زنا بالجبر کے مجرم کو ہر حالت میں تعزیری سزا دی جائے گی۔

زنا بالجبر موجب حد کی شرعی سزا کو ختم کرنا واضح طور پر قرآن وسنت کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اس سزا کو ختم کرنے والوں کے مطابق قرآن وسنت میں زنا کی جو حد مقرر کی گئی ہے وہ صرف اس صورت میں ہے جب زنا کا ارتکاب مرد اور عورت باہمی رضامندی سے کریں، لیکن جہاں پر کسی مجرم نے رضامندی کے بغیر زنا کیا ہو تو وہاں قرآن وسنت نے کوئی حد عائد نہیں کی۔ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾

''جو عورت زنا کرے، اور جو مرد زنا کرے، (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ'' (النور: 2)

اس آیت میں ''زنا'' کا لفظ مطلق ہے جس میں ہر قسم کا زنا شامل ہے۔ اس میں رضامندی سے کیا ہوا زنا بھی داخل ہے اور زبردستی کیا ہوا زنا بھی۔ اگرچہ اس آیت میں ''زنا کرنے والی عورت'' کا ذکر ہے لیکن اسلام نے اس عورت کو سزا سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو۔ چنانچہ جس عورت کے ساتھ زبردستی ہوئی ہو، اسے سزا نہیں دی جا سکتی، البتہ جس نے اس کے ساتھ زبردستی کی

ہے، اس کے بارے میں زنا کی وہ حد جو سورہ النور کی آیت نمبر 2 میں بیان کی گئی تھی، پوری طرح نافذ ہو گی۔ چنانچہ یہ شق قرآن وسنت کے احکام کے بالکل برعکس ہے اور اللہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''اور جو لوگ اللہ کی حدود سے آگے بڑھے (یعنی مخالفت کرے) تو وہی لوگ ظالم ہیں'' (البقرة: 229)

اسلام میں سو کوڑوں کی مذکورہ بالا سزا غیر شادی شدہ مجرم کے لیے ہے۔ سنت نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر مجرم شادی شدہ ہو تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ اسلام نے زنا بالجبر کو زنا بالرضا سے بڑا جرم گردانا ہے۔ اگر زنا بالجبر جرم کے اقرار یا چار گواہوں کے ذریعے ثابت ہو جائے تو قاضی مجرم کو زنا کی شرعی حد کے علاوہ تعزیراً مزید سزا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر چار گواہوں کے ذریعے زنا بالجبر ثابت نہ ہو سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب مجرم کو کھلا چھوڑ دیا جائیگا کیونکہ جرم کے شاہدین کی تعداد چار سے کم ہے، بلکہ قاضی کے پاس اختیار ہے کہ وہ اس شخص کو تعزیری سزا دے۔ زنا بالجبر عزت پر حملہ ہے بالکل ایسے ہی جیسے انسان کی جان و مال پر حملہ ہو۔ چنانچہ جس طرح جان و مال پر حملہ کے لیے چار گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی بالکل اسی طرح عزت پر حملہ ثابت کرنے کے لیے شریعت چار گواہوں کی شرط نہیں لگاتی۔ چار گواہوں کی شرط صرف حد جاری کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی جنسی حملہ کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کے علاوہ زمینی حقائق اور دیگر واقعاتی شواہد سے بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ زنا بالجبر اور بدفعلی کی صورت میں ڈاکٹری رپورٹ اور دیگر زمینی شواہدات کی روشنی میں مجرم کو سزا دی جا سکتی ہے۔ اور یہ سزا 15 سال قید، درے اور شہر بدری کی ہوگی۔

2) تحفظ خواتین بل کی دفعہ نمبر 12(a) کے مطابق اگر کسی شخص پر زنا بالجبر موجب تعزیر (یعنی ریپ) کا الزام ہو تو اس کے مقدمے کو کسی بھی مرحلے پر زنا (فحاشی) کی شکایت میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے کیونکہ اگر یہ بغیر کسی شبہ کے ثابت ہو جائے کہ زنا بالجبر کا الزام غلط ہے اور زنا کا ارتکاب باہمی رضامندی سے ہوا ہے تو دونوں کو اسلامی قوانین کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

اس ترمیم کے ذریعے رضامندی سے زنا کرنے والے مردوں اور عورتوں کو کھلی چھوٹ مل جائے گی۔ اس کے نتیجے میں مرد اور عورت باہمی رضامندی سے زنا کریں گے اور شکایت ہونے کی صورت میں عورت زنا بالجبر کی FIR درج کروا دے گی۔ اگر مقدمے کے دوران بغیر کسی شبہ کے ثابت ہو جائے کہ زنا بالجبر کا الزام غلط ہے اور زنا کا ارتکاب باہمی رضامندی سے ہوا ہے تب بھی اس مقدمے کو زنا (فحاشی) میں تبدیل نہیں کیا جا سکے گا اور دونوں کو اسلامی احکامات کے برخلاف بری کر دیا جائے گا۔ مزید برآں یہ ترمیم ایسا قبیح فعل کرنے والے افراد کی حوصلہ افزائی کرنے کے مترادف ہے!

حدود آرڈیننس میں اس تبدیلی کی وجہ این جی اوز کا یہ شور وغل تھا کہ جب کوئی عورت زیادتی کا شکار ہوتی ہے تو اگر وہ اپنی زیادتی کو ثابت نہ کر سکے تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر کے زنا کا جھوٹا کیس بنا دیا جاتا ہے اور عورت کو سالہا سال جیل میں رکھا جاتا ہے۔ اس بات کو جواز بنا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جھوٹے مقدمے تو کسی بھی جرم کے متعلق بن سکتے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں کہ پاکستان میں دفعہ 302 کے تحت اور دیگر قوانین کے تحت جھوٹے مقدمے بنتے ہیں اور پھر بے گناہ سزا پاتے ہیں۔ تو پھر یہ NGO's دفعہ 302 کے خاتمے کے لئے تحریک کیوں نہیں چلاتیں؟ دراصل اس پروپیگنڈا کا مقصد محض اسلام کو بدنام کرنا ہے۔

3)۔ تحفظ خواتین بل کی ترمیم نمبر 18 کے مطابق اگر عدالت کسی کو حد کی سزا دے تو صدر مملکت اور صوبائی حکومت کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس کی سزا میں تبدیلی یا تخفیف کر سکے۔ یہ ترمیم قرآن وسنت کے واضح ارشادات کے خلاف ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾

''اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں۔''

(الاحزاب: 36)

حدود اللہ میں کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس میں ترمیم کرے، رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کس کا مقام ہو سکتا ہے لیکن آپ ﷺ کے پاس بھی یہ اختیار نہیں کہ آپ حدود اللہ میں کوئی ترمیم یا کمی بیشی کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ'' قریشی قبیلہ کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا، تو ایک صحابی اسامہ بن زید ؓ، جن سے رسول اللہ ﷺ بہت محبت کرتے تھے، کے ذریعے لوگ اس عورت (فاطمہ) کا ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ اسامہ کی اس جسارت پر سخت ناراض ہوئے اور کہا:

((أتشفع في حد من حدود الله لو أن فاطمه بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها))

''کیا تم حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ اگر (میری بیٹی) فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو محمد اس کا ہاتھ کاٹ دیتا'' (صحیح بخاری)

اس مشہور واقعہ سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ حدود اللہ میں تبدیلی یا تخفیف کا یہ اختیار کسی کے پاس نہیں ہے۔ دراصل یہ مسئلہ انگریز کے چھوڑے عدالتی نظام کی پیچیدگیوں کی وجہ سے ہے۔ اسلام میں قاضی کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اور اسے کسی دوسری عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ماسوائے یہ کہ وہ حقائق کے خلاف ہے یا شریعت کے قطعی احکامات کی نفی کرتا ہے۔ اس صورت میں فیصلہ کرنے والے قاضی کی باز پرس ہوتی ہے جس کا اختیار قاضی مظالم کو حاصل ہے۔ لہٰذا اسلامی عدالتی نظام میں اپیل در اپیل اور نچلی سطح کی عدالت سے لے کر اعلیٰ ترین عدالت تک بھاگ دوڑ

کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا بلکہ قاضی کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اوراس پرفوراًعمل درآمد ہوتا ہے۔

**4)** تحفظ خواتین بل کی ترمیم نمبر 5 کے مطابق ''کسی مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا...جب وہ کسی عورت کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ حالات میں مباشرت کرے:

1- اس کی مرضی کے خلاف

2- اس کی رضامندی کے بغیر

3- اس کی رضامندی سے، جب کہ رضامندی اس کو ہلاک یا ضرر کا خوف دلا کر حاصل کی گئی ہو۔

4- اس کی مرضی سے، جب کہ وہ مرد جانتا ہو کہ وہ اس کے ساتھ نکاح میں نہیں ہے اور یہ کہ رضامندی کا اظہار اس وجہ سے کیا گیا ہے کیونکہ وہ یہ باور کرتی ہے کہ مرد وہ دوسرا شخص ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوناوہ باور کرتا ہے یا کرتی ہے۔

5- جب وہ کسی لڑکی کی رضامندی یا اس کے بغیر، جب کہ وہ 16 برس سے کم عمر کی ہو۔''

اس ترمیم کے لحاظ سے اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر اس سے جماع کرتا ہے تو وہ بھی زنا بالجبر کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اہل مغرب کی اصطلاح میں اس کو بیوی سے زنا بالجبر (Marital Rape) کہا جاتا ہے اور یہ ترمیم بھی اہل مغرب سے متاثر ممبران قومی اسمبلی اور این جی اوز کی پروردہ خواتین کے مطالبے پر ہوئی ہے، جو مغربی اقدار کو اعلیٰ وارفع سمجھتی ہیں۔ یہ اسلام کی رو سے بالکل غلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**((إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان عليها لعنتها الملائكة حتى تصبح))**

''جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو بستر میں بلائے اور وہ انکار کردے اور شوہر اس سے ناراضی کی حالت میں رات بسر کرے تو فرشتے ایسی بیوی پر صبح ہونے تک لعنتیں بھیجتے رہتے ہیں'' (صحیح بخاری)

مندرجہ بالا ترمیم کو صورت نمبر 5 کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے مطابق اگر 16 سال سے کم عمر کی عاقلہ بالغہ خاتون رضامندی کے ساتھ کسی مرد سے زنا کرے، تو مرد کو تو زنا بالجبر کا مرتکب قرار دے کر سزا دے دی جائے گی، لیکن اس عاقلہ بالغہ لڑکی کو ارتکاب وثبوتِ جرم کے باوجود باعزت بری کر دیا جائے گا، اور وہ سزا سے مکمل طور پر محفوظ رہے گی۔ اس کی ایک عمر مقرر کر دینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ 16 برس سے کم عمر بالغ لڑکیوں کے جانے بوجھے زنا کے ارتکاب کے باوجود قانون ان پر گرفت نہیں کر سکے گا۔ یہ شق اسلام کے خلاف ہے کیونکہ اسلام نے زنا کی سزا کو عمر کی بجائے بلوغت سے منسلک کیا ہے۔ اور یہ عمومی طور پر تمام فرائض اور شرعی سزاؤں کے متعلق ہے۔

اس ترمیم کے نتیجے میں معاشرے پر کئی گھناؤنے اثرات مرتب ہوں گے۔ جسم فروشی کا کاروبار کرنے والوں کو اپنے گندے کاروبار کے لیے 16 برس سے کم عمر لڑکیوں کو استعمال کرنے کا جواز مل جائے گا۔ لڑکیوں کو 16 سال تک زنا کے جرم سے چھوٹ ملنے کے بعد بچوں میں بدکاری پھیل جائے گی اور ایسی بری عادات کا شکار بچے مستقبل میں بھی جنسی بے راہ روی کا شکار رہیں گے۔ مغرب کے روشن خیال معاشرے کے سکول اور کالج اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جہاں سکول جانے والی لڑکیاں حاملہ ہو رہی ہیں۔

**5)** اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے اور اس کے پاس چار گواہ نہیں تو اس صورت میں اسلام کے مطابق لعان کے قانون پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ جیسا کی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعویٰ کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان کی شہادت (جو کہ واقع حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا (یعنی حدزنا) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔'' (النور: 6-9)

اس طرح عدالت میں اس کارروائی کے بعد نکاح فسخ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عورت اور مرد ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔

تحفظ خواتین بل میں قذف آرڈیننس کی دفعہ 14 کے کچھ حصے حذف کر دینے کے نتیجے میں اگر شوہر لعان پر آمادہ نہ ہو تو عورت بے بسی میں لٹکی رہے گی، نہ ہی اپنی بے گناہی لعان کے ذریعے ثابت کر سکے گی اور نہ ہی نکاح فسخ کرا سکے گی اور اس طرح وہ عورت کو ہمیشہ کہ لیے معلق رکھ سکتا ہے جو کہ اسلامی قانون کی روح سے متصادم ہے اور کیا اس کے ذریعے خواتین کے حقوق کا تحفظ کیا جا رہا ہے یا ان کی پامالی کی جا رہی ہے؟

تحفظ خواتین بل کے تحت اگر وہ لعان کی کاروائی کے دوران اس بات کا اعتراف کرلے کہ اس نے زنا کیا ہے تو اس پر زنا کی سزا جاری نہیں ہو گی۔ لیکن اسلام کے مطابق اگر لعان کی کاروائی کے دوران عورت یہ اعتراف کرلے کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے تو اس کو زنا کی سزا دیا جانا لازمی ہے اور اس سزا کو ختم کرنا قرآن وسنت کے احکام کے منافی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ تحفظ خواتین بل 2006ء معاشرتی نظام کے متعلق قرآن وسنت کے احکامات کے برعکس ہے۔ نیز یہ بل خواتین کے حقوق کا تحفظ کرنے کی بجائے ان کو اس مقام سے گرا دے گا، جو اسلام نے خواتین کو دیا ہے۔

اس بحث کو یہاں پر ختم کرنا بے سود ہوگا کیونکہ روشن فکر کا تقاضا یہ ہے کہ مسائل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا حل بھی دیا جائے۔ تاہم حل کی طرف جانے سے قبل میں ان عناصر پر یہ بات واضح دینا چاہوں گا، جو کہتے کہ اسلام کی Expiary date کو گزرے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا ہے اور اب ہمیں نئے حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ دارانہ افکار اور نظام کو درآمد کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہمیں ایک مکمل اور جامع نظام دیتا ہے جو ہر زمانے میں قابلِ عمل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو زندگی

گزارنے کے کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات دیا ہے جو ہر دور کے لیے ہے اور زندگی میں ہر شعبے اور نظام کے لیے تفصیلی احکامات دیتا ہے۔ اگر اسلام نے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور سونے جاگنے سے متعلق تفصیلی احکامات دیئے ہیں، تو یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اسلام زندگی کے اہم نظاموں کے متعلق خاموش ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کردی اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا'' (المائدہ: 3)

اسلام کی 1400 سالہ تاریخ میں سے کم وبیش 1300 سال تک اسلام نہ صرف مکمل طور پر نافذ رہا بلکہ اسلامی ریاست دنیا میں سینکڑوں سال تک واحد سپر پاور رہی۔

جہاں تک اس مسئلے کے حل کا تعلق ہے، تو اس مسئلے کا حل یہ نہیں کہ صرف تحفظ خواتین بل 2006ء کو ختم کیا جائے یا اس کی کچھ شقوں میں تبدیلی کی جائے۔ بلکہ تمام کے تمام کفریہ دستور و قوانین کو اسلام کے قوانین سے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اور اس طریقہ کار کو بھی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے قوانین بنائے جاتے ہیں۔

اگر ہم موجودہ حکومتی نظام یعنی جمہوریت پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ انسان کے لیے ہے، نہ کہ اللہ کے لیے۔ یعنی عوام الناس خود فیصلہ کریں گے کہ وہ کن قوانین کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ عملی طور پر یہ قوانین ایک مختصر منتخب قانون ساز اسمبلی عوام الناس کی جانب سے بناتی ہے اور یوں قانون ساز اسمبلی کو قوانین بنانے کے لیے وسیع اور مکمل اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ قانون ساز اسمبلی حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کا اختیار رکھتی ہے۔ چنانچہ اگر قانون ساز اسمبلی اس بات پر راضی ہو کہ سودی نظام ہونا چاہیے تو سود قانوناً حلال ہوگا۔ غرض جمہوری نظام میں حلال اور حرام کا تعین انسان کرتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے والا شخص اللہ کی بجائے دوسرے معبودوں کی پیروی کرنے کا مجرم ہے۔ قرآن وحدیث میں یہی مطلب وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا'' (التوبہ: 31)

رسول اللہ ﷺ اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے جب عدی بن حاتم الطائی داخل ہوئے اور انہوں نے اپنی گردن میں صلیب پہن رکھی تھی۔ عدی نے کہا: وہ ان (عالموں اور راہبوں) کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

((اذا احلوا لهم شيئا استحلوه و اذا حرموا عليكم شيئا حرموه))

''جب وہ (علما اور درویش) کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو وہ لوگ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام ٹھہرادیتے تو وہ اسے حرام جان لیتے''

جمہوریت کے برعکس اسلام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ کے لیے ہے انسان کے لیے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

''حکم تو صرف اللہ کا ہے'' (الانعام: 57)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

''اور جو (لوگ) بھی اللہ کے نازل کردہ تمام احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کریں، تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔'' (المائدہ: 44)

جو لوگ مخصوص قوانین کے نفاذ یا تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں اور باقی کفریہ قوانین کے متعلق خاموش ہیں، تو اللہ انہیں سختی سے خبردار کرتا ہے۔ پاکستان میں معاشی نظام سے لے کر معاشرتی نظام تک سارے کے سارے نظام اسلامی افکار و تصورات پر مبنی ہونے کی بجائے سرمایہ دارانہ نظریے کے ناقص افکار و تصورات پر قائم ہیں۔ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم پورے کے پورے اسلام کو قبول کریں کیونکہ اسلام کے ایک حصے کو چھوڑنا گویا پورے اسلام کو چھوڑنے کے مترادف ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾

''کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟ اور جو شخص ایسا کرے گا تو دنیا میں اس کے لیے رسوائی ہے اور آخرت کے دن ان لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا''

(البقرۃ: 85)

فی الواقع جو لوگ اسلامائزیشن یعنی مخصوص اسلامی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں انہوں نے اسلام کو سمجھنے میں خطا کی ہے۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مغربی طرزِ حکومت اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے ایک قابل قبول ذریعہ ہے۔ انہوں نے اس بات کا ادراک نہ کیا کہ اسلام نے پہلے ہی نظامِ حکومت کی تفصیلات کا جامع طور پر تعین کردیا ہے یعنی خلافت۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت کو اسلام کے مرحلہ وار آرڈیننسوں کے ذریعے نافذ کرنے کی بے سود مشق کرنے کی بجائے تمام اسلامی نظاموں کو مکمل طور پر اور یکمشت نافذ کیا جائے۔

خلافت کے ذریعے ہی اسلام کا مکمل اور جامع نفاذ ممکن ہوتا ہے، اور اسکے نتیجے میں زنا جیسے جرائم نہ ہونے کے برابر ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ اسلام کا معاشرے میں تقویٰ کے ماحول کو جنم دینا اور اسلامی معاشرتی نظام کا اس بات کو لازم بنانا ہے کہ معاشرے میں ایسی تمام چیزوں کو ختم کیا جائے جو زنا کا باعث بنتی ہیں۔ اگرچہ ان سیکولر طبقوں کے الزامات کے برعکس اسلام خواتین کو معاشرے میں ایک فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مرد و زن کے تعلقات کی تنظیم کے لیے مخصوص احکامات بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ایک عورت ایک ڈاکٹر، جج، وکیل، استاد، تاجر، ماہر اقتصادیات،

سائنسدان، سیاست دان وغیرہ ہوسکتی ہے لیکن اسے یہ تمام فرائض اسلامی احکامات کے تحت پورے کرنے ہوتے ہیں۔ مثلاً خواتین اور مردوں کے آزادانہ اور بلاضرورت اختلاط پر پابندی ہوتی ہے، ایک عورت ایک نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی یعنی خلوت میں نہیں بیٹھ سکتی، تنہا عورت 24 گھنٹے سے زائد کا سفر بغیر محرم کے نہیں کرسکتی وغیرہ۔ ایک اسلامی ریاست فحاشی و عریانی اور اس کی اشاعت کو ممنوع قرار دیتی ہے اور ایسے ذرائع پر پابندی ہوتی ہے جو جنسی فرسٹریشن اور نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑتی ہے۔ مثلاً انٹرنیٹ پر فحش ویب سائٹس کی روک تھام، کیبل پر موثر سینسر، فحش ملکی وغیر ملکی جرائد پر پابندی وغیرہ کے ذریعے اسلامی معاشرے کو پاکیزہ رکھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میڈیا اور تعلیمی نظام کے نفاذ سے بھی نوجوانوں کی اسلامی تربیت کی جاتی ہے اور حدیث کے اس حکم کو بھی پورا کیا جاتا ہے کہ بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں جلدی کی جائے تاکہ گناہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ اس کے علاوہ پردے کے احکامات اور خواتین اور مردوں کے لیے نظریں نیچی رکھنے کا حکم بھی پورا کیا جاتا ہے۔ ان تمام قوانین اور اقدامات کے باوجود جب کوئی مرد یا عورت ان تمام رکاوٹوں کو پھاند کر زنا جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کرے تو اس سرکشی پر کوڑوں یا رجم (سنگسار) جیسے احکامات کا نفاذ عین انصاف ہے۔

اگر ہم اسلامی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو ہمیں اسلام کے مکمل نفاذ کے نتائج واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ جب امام مالکؒ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا گیا تو ایک سال تک مدینہ میں کوئی ایسا جرم ہی نہیں ہوا جس کی انہیں سماعت کرنی پڑے۔ نیز اس کی بہترین اور قوی ترین دلیل شرعی عدالتوں کے وہ ریکارڈ ہیں، جو قدیم شہروں جیسے بغداد، دمشق، قاہرہ اور استنبول وغیرہ میں محفوظ ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اُس وقت کی عدالتوں کے زیادہ تر فیصلے معاشرتی مسائل مثلاً طلاق، وراثت اور تجارت سے منسلک مسائل کے متعلق تھے، نیز اسلامی خلافت میں قتل، چوری اور زنا بالجبر کے مقدموں کی شرح نہ ہونے کے برابر تھی۔ گویا اسلام ان تمام برائیوں سے نبٹنے کے لیے ایک مکمل اور جامع حل دیتا ہے۔ لہٰذا دوبارہ سے امن وامان، انصاف، پاک اور صاف معاشرہ اور خوشحالی کا دور دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل سے نکل کر **ریاست خلافت** کی شکل میں مکمل اسلام کا نفاذ کیا جائے۔

□□□

بقیہ صفحہ نمبر 17 سے

## نیگروپونٹے کی نظریں پاکستان پر؟

کے لیوپولڈو گالٹیری اور رابرٹو وائلا، پیرو کے جوان ولاسکو اور الوراڈو، ایکواڈور کے گولیرمو رڈریگیز، بولیویا کے ہیوگو بینزر، ہاؤنڈرس کی پولیس کا چیف اور بعد میں ہاؤنڈرس کا اعلیٰ فوجی کمانڈر گوسٹیوو الویریز۔

ہاؤنڈرس میں فوج کا انٹیلی جنس یونٹ بٹالین 3-16 اغوا، جنسی زیادتیوں، تشدد، قتل وغارت اور سیاسی مخالفین کو ڈرانے دھمکانے میں ملوث رہا ہے۔ 1995 میں بالٹی مور کے گیری کوہن اور جنجر تھامسن نے مختلف ذرائع سے اکٹھے کئے گئے شواہد پیش کئے جو نیگروپونٹے کا ان جرائم سے باخبر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان اخباری نمائندوں نے 1980 کی دہائی میں CIA کے تربیت یافتہ خفیہ فوجی یونٹ کے ہاتھوں ہاؤنڈرس کے بے شمار افراد کے قتل، اغوا اور تشدد کے بارے میں ثبوت بھی مہیا کئے۔

ہاؤنڈرس میں انسانی حقوق پر انٹرامریکن کمیشن کی طرف سے قابلِ بھروسہ شواہد ملتے ہیں کہ نیگروپونٹے نے ہاؤنڈرس کے علاقہ میں امریکی ٹریننگ کیمپ اور ملٹری بیس کے پھیلاؤ کی بذاتِ خود نگرانی کی، جہاں سے امریکی تربیت یافتہ دہشت گرد تیار ہوتے تھے اور وہیں پر ہاؤنڈرس کے بے شمار سیاسی مخالفین کو حبسِ بے جا میں رکھا گیا، ان پر تشدد ہوا اور انہیں قتل کیا گیا۔

ہاؤنڈرس میں اپنے قیام کے دوران نیگروپونٹے نے ایک دقیانوس شہنشاہیت پسند کے طور پر شہرت حاصل کی اور 'رئیل پولیٹک' کا حمائتی رہا۔ حال ہی میں نیگروپونٹے نے عراق کے اندر لاطینی امریکہ کی طرز پر خود ساختہ جمہوریت متعارف کرائی ہے۔ جہاں لوگوں کو ہر پانچ سال بعد دو میں سے ایک امیدوار کو منتخب کرنا پڑتا ہے اور جس کے اندر غیر فوجی رہنماؤں کو یا تو امریکی کنٹرول یافتہ افواج کی اطاعت کرنا پڑتی ہے یا پھر انہی فوجی قوتوں کے ہاتھوں معزول ہونا پڑتا ہے۔ امریکی انتظامیہ اپنی فوج اور ایجنٹوں کے ہاتھوں انسانی حقوق کی پامالی پر آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔ جب سے عراق پر قبضہ ہوا ہے اسی دن سے قابض افواج کی طرف سے نازی فوجیوں کی طرز پر عراقی قیدیوں پر تشدد، جنسی زیادتیاں اور قتل روز کا معمول بن چکا ہے۔

حال ہی میں عراق کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے نیگروپونٹے نے کہا: ''ہمارے فوجی کمانڈروں اور نئی عراقی حکومت کے درمیان حقیقی مکالمے کی ضرورت ہے اور میرے خیال میں امریکی مشن کے درمیان بھی'' اس نے مزید کہا ''امریکی افواج کو اپنے تحفظ کی خاطر کچھ بھی کرنے کی آزادی ہونی چاہیے اور وہ عراق میں جیسے بہتر سمجھتے ہیں ویسا آپریشن کریں گے'' یہ بیان پاکستان کے بارے میں دیئے گئے بیان سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

جب نیگروپونٹے اقوام متحدہ میں متعین تھا تو اس کا کردار فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جرائم کو ڈھال دینا اور سیکورٹی کونسل میں موجود چھوٹی اقوام پر امریکی طاقت کی دھونس بٹھانے کے لیے دباؤ ڈالنے تک محدود رہا ہے۔

نیگروپونٹے کی سیاسی ذمہ داریاں ہمیشہ خطرناک رہی ہیں۔ اس نے ہمیشہ امریکی ظلم واستبداد اور امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مفاد کے لیے کام کیا ہے۔ نیگروپونٹے ضرور لاطینی امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ کے اپنے ہتھکنڈے اب پاکستان میں امریکہ اور امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مفاد حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لائے گا اور یقین رکھیں مشرف اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ کھڑا ہوگا۔

□□□

حزب التحریر کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ

# صومالیہ..... اے مسلمانو! اسے فتح یاب کرو!

ایتھوپیا نے اپنی برّی اور ہوائی فوجیں صومالیہ کے مسلمانوں پر مجرمانہ حملہ کیلئے اُتار رکھیں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حملے تو پہلے سے جاری تھے، اب صرف ان حملوں کا اعتراف کیا جا رہا ہے جو بہرحال پہلے سے جاری تھے۔ اِن حملوں کے لیے ایتھوپیا کا بہانہ یہ ہے کہ یہ حملے دفاعی نوعیت کے ہیں! کس کا دفاع کیا جا رہا ہے؟ ایتھوپیا کا، صومالیہ سے!؟

صومالیہ میں جاری جنگ شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس جنگ میں ایک طرف تو ایتھوپیا ہے جو امریکہ اور اُس کے افریقی ایجنٹوں کی مدد وحمایت سے بے پناہ اسلحہ سے لیس ہے، جسے امریکہ کی سیاسی اور عسکری مدد حاصل ہے؛ اور دوسری جانب صومالیہ کے مسلمان ہیں جن کی قیادت اسلامی شرعی عدالتیں کر رہی ہیں جن کی تشکیل ابھی ابھی ہوئی ہے۔ اس جنگ کا تماشہ دیکھنے والے مسلم ممالک کے حکمران ہیں جو بہرے گونگے ہو کر خاموش بیٹھے ہیں؛ جیسے یہ سب کسی دُور دراز مقام پر ہو رہا ہو نہ کہ اسلامی دنیا کے عین قلب میں ایسی جگہ جس کی ایک تابناک تاریخ رہی ہے اور جو فوجی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے۔ یہ درحقیقت وہی مقام ہے جہاں اسلامی دعوت کے ابتدائی مراحل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچا تھا! اسے ۷۷ھ میں خلیفہ عبدالملک کے عہد میں فتح کیا گیا اور تب سے یہ اسلامی ریاست کا حصہ بنا رہا ہے جیسے اور دیگر ممالک، خاص طور پر یمن جس کے یہ بالکل قریب ہے اور ان کے درمیان صرف بحیرۂ عدن حائل ہے۔ پھر عثمانی خلافت کے آخری ایام میں جس طرح کافر استعمار نے دیگر اسلامی علاقوں کو نشانہ بنایا، اُسی طرح صومالیہ کو بھی شکار کر لیا۔

**اے مسلمانو!** امریکہ اور افریقہ میں امریکہ کے مہرے اس بات سے سخت حیران اور ہیجان میں مبتلا ہو گئے کہ صومالیہ کے مسلمان اسلامی شرعی عدالتوں کے زیرِ قیادت متحد ہو رہے ہیں اور اسلام کے نام پر جمع ہو رہے ہیں۔ اُنہیں نظر آنے لگا کہ یہ صورتِ حال ان کے ایجنڈے کے نفاذ کے لیے خطرے کا باعث ہے۔

صومالیہ کے دو اضلاع؛ اوغدین اور ہود پہلے ہی سے ایتھوپیا کے قبضہ میں ہیں؛ اور اسے خطرہ ہے کہ اگر صومالیہ میں کوئی مضبوط اور مستحکم حکومت بن گئی، خاص کر ایسی حکومت جو اسلام کے نام پر قائم ہو، تو وہ اِن اضلاع کے معاملے کو پھر اُٹھا سکتی ہے کیونکہ وہ سیاسی اور عسکری اعتبار سے مضبوط ہوگی اور اِن اضلاع کو دوبارہ صومالیہ میں شامل کرنا چاہے گی۔

جہاں تک امریکہ کا سوال ہے، تو امریکہ کی یہ آرزو رہی ہے کہ وہ صومالیہ پر دوبارہ اثر ورسوخ حاصل کر لے جس طرح وہ ماضی میں سیاد بری کے دورِ حکومت میں رکھتا تھا۔ اُس دورِ میں امریکہ نے اپنی مرضی سے جس قدر چاہا صومالیہ کو لوٹا اور یہ سلسلہ ۱۹۹۱ء میں قبائل کی بغاوت تک جاری رہا۔ قبائل کی اس بغاوت کے نتیجے میں حالات نے برطانیہ کے حق میں کروٹ بدلی اور سیاد بری کے ساتھ ساتھ امریکی رسوخ کا دور ختم ہو گیا، لیکن نئے اقتدار نے مزید بگاڑ پیدا کر دیا۔

پھر برطانیہ نے مستعدی سے حالات کو اپنے حق میں کیا اور اس کاوش میں لگ گیا کہ وہ دوبارہ وہی رسوخ حاصل کر لے، جو اسے برٹش صومالیہ کے دور میں حاصل تھا۔ لہٰذا اُسی سال یعنی ۱۹۹۱ء میں اُس نے جمہوریہ صومالیہ کو تشکیل دیا، اور صومالیہ کے باقی علاقے اور ان میں بسنے والے لوگوں کو چھوڑ دیا۔ ادھر امریکہ اپنا سابقہ رسوخ بحال کرنے کی تاک لگائے بیٹھا تھا۔ اُس نے ۱۹۹۲ء میں انسانی امداد کے بھیس میں وفود روانہ کیے جن کا نام اس نے ''بحالیٔ امید'' رکھا اور اس بھیس میں قریباً اٹھائیس ہزار سپاہی صومالیہ میں گھس آئے۔ تاہم اِس منصوبے نے اُلٹا امریکہ کو نقصان پہنچایا اور بالآخر ۱۹۹۵ء میں امریکہ نے رُسوا ہو کر اس منصوبے کو ختم کر دیا۔

اس کے باوجود امریکہ نے افریقہ میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کی خواہش کو ترک نہ کیا اور ۲۰۰۰ء میں عبدل قاسم صلاد کی حکومت تشکیل دے کر امریکہ نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح اُس سال ہونے والے جیبوتی معاہدے کو ناکام بنا دے، کیونکہ یورپ اس معاہدے کی حمایت کر رہا تھا، اور وہ سابق فرانسیسی صومالیہ کے جیبوتی کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ امریکہ نے صومالی حکومت کو ناکام کرنے کی کوشش کی۔ جب امریکہ صومالی حکومت کو ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تو اُس نے افریقہ میں اپنے مہروں کی تشکیلِ نو کی منصوبہ بندی کی اور ۲۰۰۴ء میں نیروبی معاہدہ تیار کر کے اپنے ایجنٹ عبداللہ یوسف کی قیادت میں عبوری حکومت تشکیل دے دی، جو ۱۹۹۷ء سے اب تک صومالیہ کے ایک چھوٹے سے حصے یعنی پونٹ لینڈ کا صدر تھا۔ اس کے بعد امریکہ نے اس عبوری حکومت کو تسلیم کرانے کی مہم شروع کر دی تا کہ اسے علاقائی تنظیموں مثلاً تنظیم اتحادِ افریقہ اور عرب لیگ کی رکنیت اور پھر اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل ہو جائے اور اسے صومالیہ کی حکومت کے نام سے تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ امریکہ نے صومالیہ کے پایہ تخت موغادیشو کے مِلیشیا سرداروں کی بھی پشت پناہی جاری رکھی تا کہ اس کے پاس اپنے مقاصد حاصل کرنے کے دو علیحدہ علیحدہ راستے باقی رہیں۔ اس حکومت کے گھٹیا ہونے کا بڑا ثبوت یہ تھا کہ اِس حکومت نے ہمیشہ امریکی اور ایتھوپیائی مفادات کو پروان چڑھایا، جبکہ دوسری جانب مِلیشیا سرداروں کی آپس کی جھڑپیں لوگوں کی جان اور مال کو تباہ کرنے میں جُتی ہوئی تھیں۔ عوام اس فکر میں تھے کہ آخر کون اُنہیں اس تباہی سے نجات دلا سکتا ہے جو اُن پر تھوپی جا رہی تھی۔ چنانچہ عوام کو اسلامی شرعی عدالتوں کی قیادت مل گئی اور یوں وہ کامیاب ہو گئے۔ عوام کو اِن عدالتوں پر اعتبار تھا کیونکہ ۱۹۹۴ء سے یہی عدالتیں اُن کے مسائل کو حل کرتی آ رہی تھیں، جب صومالیہ میں کوئی مستحکم اقتدار باقی نہیں بچا تھا۔ عوام اِن شرعی عدالتوں کے بارے میں جانتے تھے کہ ان عدالتوں کی وفاداریاں اسلام سے ہیں۔ عوام اور اِن شرعی عدالتوں کے مابین ایک باہمی لگاؤ پیدا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اِنہیں ملیشیا سرداروں پر فتح عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں ملیشیا کے سردار تتر بتر ہو گئے۔ امریکہ نے اپنے حمایتی سرداروں کے دفاع میں کوئی قدم نہ اُٹھایا اور قبل یہ کہ عدالتیں عوام کے پاس جاتیں، لوگ خود ہی جوق در جوق عدالتوں کے گرد جمع ہوتے گئے۔

اس صورت حال میں امریکہ نے اپنے ہتھیار بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا؛ یعنی مکر وفریب سے بھرے مذاکرات اور مسلح دہشت گردی، جن کے سہارے وہ صومالیہ میں اپنی کھوئی ہوئی ساکھ اور اثر و رسوخ بحال کرنا چاہتا تھا۔ مذاکرات کا کام اُس نے سوڈان کے سپرد کیا جو شرعی عدالتوں کو ضم کرکے خرطوم میں قائم عبوری حکومت میں شامل کرنے کیلئے گفت وشنید کرنے لگا تاکہ اس عبوری اور بے جان حکومت میں جان پھونکی جاسکے جو خود اپنے صدر دفاتر کی حفاظت کرسکنے سے بھی قاصر رہی ہے! اور جسے عوام کُلی طور پر ٹھکرا چکے ہیں۔ ان مذاکرات کا منشاء یہ تھا کہ ان شرعی عدالتوں کی حیثیت کو گھٹا کر ایک عام قوت کی طرح کر دیا جائے، یعنی صومالیہ کے پونٹ لینڈ یا صومالی لینڈ یا جوبا لینڈ کی طرح، تاکہ امریکہ پھر اُن پر اپنی گرفت کس سکے۔

رہی بات امریکہ کے دوسرے حربے کی، تو مسلح دہشت گردی کا کام اُس نے ایتھوپیا کے حوالے کیا تاکہ وہ عبوری حکومت کی حمایت میں اور شرعی عدالتوں کے خلاف اپنی فوجیں صومالیہ میں داخل کردے، جو وہ پہلے ہی کر چکا تھا اور اب بس اس حملے کا اعلان کیا گیا ہے۔

**اے مسلمانو!** صومالیہ کی جنگ وہاں کے مسلمانوں اور ایتھوپیا کے کفار کے درمیان خونریزی کے سوا کچھ نہیں ہے، جسے وہ امریکہ کے اشارے پر اور اُس کی پوری حمایت کے تحت چلا رہا ہے تاکہ امریکہ اپنے تین اہم مقاصد حاصل کرسکے:

**پہلا مقصد:** صومالی عوام مسلمان ہیں اور اپنے دین سے محبت رکھتے ہیں جن کی خواہش یہ ہے کہ وہ اسلام کے پرچم تلے شرعی عدالتوں کی قیادت میں متحد ہو جائیں۔ اس کے برخلاف امریکہ چاہتا ہے کہ وہ اسلام کی طرف جھکنے والی کسی بھی تحریک کو، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو، کچل دے! امریکہ اسلام سے نفرت رکھتا ہے اور خاص طور پر ایسے اسلام سے جو اُن کے نظریہ کے مطابق اعتدال پسند یا نرم نہ ہو! جیسے کہ اسلام معتدل اور غیر معتدل ہوسکتا ہے؛ اللہ کی اُن پر لعنت ہو، یہ کس قدر حق سے منحرف ہیں۔

**دوسرا مقصد:** صومالیہ کا محلِ وقوع فوجی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، افریقی ممالک میں بحر ہند سے متصل سب سے طویل ساحل اسی کا ہے، جس کا طول دو ہزار سات سو بیس کلو میٹر یعنی تقریباً ایک ہزار سات سو میل ہے۔ صومالیہ کے ساحلوں کے دو حصے ہیں؛ ایک مشرقی جانب بحر ہند سے متصل اور دوسرا شمال میں خلیج عدن کی جانب جو باب المندب اور بحر احمر کو جاتا ہے۔ لہٰذا صومالیہ کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ جنوبی افریقہ اور شمال میں جزیرۂ عرب کے لیے دروازے کی مانند ہے اور ان دونوں خطوں کو کنٹرول کرنے کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔

**تیسرا مقصد:** صومالیہ قدرتی وسائل کے لحاظ سے نہایت زرخیز و بیش قیمت ہے؛ جو تحقیقات وہاں کی گئی ہیں اُن کے مطابق صومالیہ میں یورینیم، قدرتی گیس اور تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ اسّی کی دہائی میں سیاد بَری کے دورِ حکومت میں دو تہائی سے زیادہ صومالی وسائل کو دریافت کرنے کے حقوق امریکی تیل کمپنیوں کو دئے گئے تھے جن میں کونکو، ایموکو، شیورون اور فلپس شامل ہیں۔ کھودے جانے والے پہلے نو کنوؤں میں تیل کے ذخائر کا موجود ہونا ثابت ہوگیا تھا، جس کی تصدیق عالمی بینک کے ماہرینِ ارضیات کرچکے ہیں۔ سیاد بری کی حکومت کا تختہ اُلٹ جانے کے بعد اِن ذخائر پر کام بند ہوگیا تھا، جسے اب امریکہ نہایت آہستگی اور تحمل سے اپنے اثر و رسوخ میں لانے کیلئے کوشش کررہا ہے۔

**اے مسلمانو!** امریکہ اپنی رائے کو سارے عالم کیلئے قول فیصل سمجھتا ہے اور پوری دنیا میں کہیں بھی پائے جانے والے ذخائر اور وسائل، خواہ وہ زمین پر ہوں یا زمین کی گہرائیوں میں، پر صرف اپنا حق سمجھتا ہے۔ امریکہ کو اُس کے اس تکبّر نے اس قدر اندھا کردیا ہے کہ وہ افغانستان، ویتنام، عراق اور ۱۹۹۵ء میں صومالیہ میں اپنی تمام ناکامیوں کے اصل اسباب کا ادراک بھی نہیں کر پا رہا۔ اُسے اب ایسی جگہوں کی تلاش ہے جن کے ذریعے وہ اپنے سابقہ نقصانات اور رسوائی کی تلافی کرسکے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کام میں ایتھوپیا اُس کا کافی ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ کیونکہ امریکہ کی دانست میں، ایتھوپیائی افواج، جو بے تحاشہ اسلحہ سے لیس ہیں، کے سامنے نئی نئی شرعی عدالتیں ٹک نہیں پائیں گی؛ نہ افواج کی تعداد کے لحاظ سے اور نہ ہی وسائل واستعداد کے اعتبار سے۔ اس مشکل اور سنگین صورتِ حال کے باوجود عام مسلمانوں اور شرعی عدالتوں کی افواج نے اِن مجرم اور مہلک طاقتوں کے خلاف غیر معمولی بہادری کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یہ بہادری ہمیشہ ہی منافقوں اور کفار سے نبرد آزما مسلم فوجیوں کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ لیکن صومالیہ کے باہر موجود مسلمانوں کا اپنے صومالی مسلمان بھائیوں کی مدد کو نہ آنا، فی الحقیقت کفار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اور اُن کے حمایتی ایک کے بعد دوسرے مسلم ملک پر حملے کرتے رہیں۔ ہماری اس کوتاہی سے نہ ہم اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرسکتے ہیں، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی خوشی اور نہ مسلمانوں کی۔ ہم بحیثیتِ امت ایک قوم ہیں، ایک جسم ہیں، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

((کالجسد الواحد اِذا اشتکی منه عضو ،تداعی له سائر الجسد بالحمی و السهر))

''ایک جسم کی مانند، کہ جس کے ایک حصے میں درد ہوتا ہے تو سارا جسم بے چینی و بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے''

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ امریکہ اور ایتھوپیا ہی متحارب فریق ہیں، لہٰذا مسلم سرزمین پر قائم تمام حکومتوں پر یہ فرض عائد ہوجاتا ہے کہ وہ ان متحارب فریقوں سے ایسا ہی معاملہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ممالک سے صرف جنگ کا معاملہ کیا جائے اور اس کے سوا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ اُن سے تمام سفارتی تعلقات معطل کردیے جائیں؛ نہ تو ان کا کوئی سفارت خانہ ہو، نہ معاہدات اور نہ ہی دوستی۔ ورنہ ہمارا حشر اُن ہی لوگوں کی طرح ہوگا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کی؛ یعنی اس دنیا میں رسوائی اور ذلت، اور آخرت میں شدید عذاب!

**اے مسلمانو! حزب التحریر** تمہارے حوصلے کو زندہ کرنا چاہتی ہے، وہ عزم جو صومالی مسلمانوں کی مدد کو اٹھنا چاہتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ایک فرض ہے، لہٰذا اُٹھو اور اسے پورا کرو:

﴿وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ﴾

''اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد چاہیں، تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے'' (الانفال: ۷۲)

لہٰذا اے مسلمانو! صومالی مسلمانوں کی مدد کیلئے اُٹھو!

صومالیہ کے پڑوسی ممالک یعنی مصر، سوڈان، جیبوتی، یمن، اریٹیریا اور سعودی عرب پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ صومالیہ کی مادی مدد کیلئے اپنی فوجیں ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کرکے روانہ کریں:

﴿اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔا﴾

''اگر تم نہیں نکلو گے، تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا، اور وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے'' (التوبہ: 39)

اس کے علاوہ وہ مسلمان جو کفار ممالک میں اقلیت میں ہیں، خاص طور پر ایتھوپیا کے مسلمان، تو اُنہیں چاہیے کہ وہ مادّی اور معنوی سطح پر متحد ہوکر اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں تاکہ ان کے ممالک صومالیہ میں خونریزی سے باز آجائیں۔ ایتھوپیا، کینیا، روانڈا، تنزانیہ اور یوگنڈا کے مسلمان اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ اس کام کو مؤثر انداز سے سرانجام دے سکتے ہیں اور اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈال سکتے

ہیں۔

اسی وقت اسلامی سرزمین پر قائم تمام حکومتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ امریکہ اور ایتھوپیا سے تمام تعلقات منقطع کرلیں: ان کے ساتھ سفارتی تعلقات، تیل کے لین دین، تجارت، معاہدے اور دوستی کے تعلقات ختم کردیں اور اُن کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جو اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس پیغام کے لیے ہمیں مسلم ممالک کے حکمرانوں پر ذرا بھی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ اُن کے احکامات مانتے ہیں جنہیں مسلمانوں سے نفرت ہے۔ ہماری دعوت امت کی طرف ہے، تاکہ امت نشأۃ ثانیہ حاصل کرے اور ہم اس امت کے عزم اور حوصلے بلند رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمان سپاہی امت کے فرزند ہیں، جب بھی امت پر آفت آئی ہے، ان فرزندان امت نے اپنے بھائیوں کا ساتھ دے کر اُن کے راستے میں آنے والے دشمن کا صفایا کیا ہے:

﴿وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾

"اللہ لازماً اُن کی مدد فرمائے گا جو اس کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑی طاقت والا، بہت زبردست ہے" (الحج: 40)

**حزب التحریر**

٦ ذوالحجۃ ١٤٢٧ھ

٢٥ دسمبر ٢٠٠٦ء

□□□

# بغداد سے ایک خط

ذیل میں دیئے گئے الفاظ اس خط کے ہیں جسے بغداد کے ایک رہائشی ابوعبداللہ نے برطانیہ کے مسلمانوں کو لکھا۔ اس خط کو لندن میں 20 جنوری 2007ء کو ہونیوالے مظاہرے میں شریک لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا جو عراق میں بش کی مداخلت اور صومالیہ میں امریکی بمباری کے خلاف امریکی سفارت خانے کی طرف مارچ کررہے تھے۔

**عزیز بھائیو اور بہنو!**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں دعا کرتا ہوں کہ یہ خط آپ کو لندن میں مل جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ان کوششوں کا اجر دے جو آپ عراق کے بحران کے سلسلہ میں کررہے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں جس نے مجھے اس مختصر پیغام کے ذریعے آپ کو مخاطب کرنے کا موقع دیا۔

اس سے قبل ہم صدام کے جبر کا شکار تھے اور اب ہم قابضین اور ان کے نئے ایجنٹوں کے ظلم کا شکار ہیں اور یہ ظلم تاحال جاری ہے۔ صدام حسین کے دورِ حکومت میں ہم نے بہت سختیاں جھیلیں، بالخصوص ان لوگوں نے جو اسلامی دعوت کے علم بردار تھے۔ ہمارا تعاقب کیا جاتا تھا، مارا پیٹا جاتا تھا اور یہاں تک کہ قتل کردیا جاتا تھا۔ ہمارے خاندان خوف کے عالم میں رہتے تھے۔ صدام کے زوال کے بعد صورتِ حال پہلے سے بھی ابتر ہوگئی ہے۔ ہمارا تعاقب اب بھی کیا جاتا ہے، مارا پیٹا بھی جاتا ہے اور ہمیں قتل بھی کردیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ یہ کرتے ہیں، اب وہ کسی اور غرض سے کرتے ہیں۔

ہم عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ لوگ اپنے گھروں سے نکلنے کی جرأت نہیں کرتے کیونکہ جب آپ گھر سے نکلتے ہیں آپ نہیں جانتے کہ آپ لوٹ سکیں گے یا نہیں۔ کوئی بھی محفوظ نہیں، ہم میں کچھ اپنے خاندانوں کو ملک سے باہر بھیج چکے ہیں۔ جب کوئی گھر سے روانہ ہوتا ہے تو اگر وہ برطانوی یا امریکی چیک پوائنٹ پر نہیں رک پایا تو وہ گولی کا نشانہ بن سکتا ہے یا اسے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ ان سے اپنی مرضی کا سلوک کریں گے اگرچہ وہ مداخلت کار رہی ہیں اور اب بش دنیا کو یہ بتاتے ہوئے مزید بیس ہزار فوجیوں کو عراق بھیجنا چاہتا ہے کہ یہ ہمارے لیے امن لائیں گے۔

سچ تو یہ ہے کہ مداخلت اور قبضہ سے پہلے ہمیں عراق میں منافرت اور فرقہ واریت کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ ان لوگوں کا پیدا کردہ ہے جنہوں نے ہماری زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ انہوں نے ہمیں سیاسی حریف بناتے ہوئے ہمیں دوسرے کے خلاف کردیا ہے۔ اب وہ عراق میں مزید رہنے کے لیے اسے بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے تحفظ کا مسئلہ تو ایک طرف اب ہم بجلی، ادویات اور ملازمت سے بھی محروم ہیں۔ جبکہ اس سے قبل ہمیں کم از کم یہ تمام چیزیں میسر تھیں۔ انہوں نے اس سرزمین کو تباہ کردیا ہے، ہمارے لوگوں کو تقسیم کردیا ہے، ہماری زمین پر اڈے قائم کرلئے ہیں اور ہمارے وسائل لوٹ رہے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہی قابضین نے ہماری آنکھوں کے سامنے مساجد کو ذلت آمیز طریقے سے شہید اور ہمارے لوگوں کی بے حرمتی کی۔

**عزیز بھائیو اور بہنو!**

میں لندن میں موجود آپ لوگوں سے مدد کا خواہاں ہوں۔ ہم آپ کی دعا کے طلب گار ہیں اور ان صدقات کے جو شاید آپ میں سے کچھ لوگ بھیج سکتے ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایک پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پھیلائیں:

لوگوں کو ان مسائل کے متعلق باخبر کریں جن کا ہم یہاں پر سامنا کررہے ہیں۔ اس بات کو یقینی بنائیں کہ لوگ ان زیادتیوں سے باخبر رہیں جیسے حدیثہ اور فلوجہ میں بے تحاشا لوگوں کا قتلِ عام اور ابوغریب جیل میں ہونے والے مظالم۔ لوگوں کو یہ بات بتادیں کہ شیعہ اور سنی کو ایک دوسرے کے خلاف لاکھڑا کرنے سے قبل یہ ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرتے تھے۔

جب تم اس قبضہ کے خلاف لڑنے والوں کو "دہشت گرد" کے نام سے سنو تو لوگوں کو بتاؤ کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو ان قابضین کے خلاف مزاحمت کررہے ہیں جنہوں نے ان کی زمینوں پر قبضہ کیا اور ان کی دولت کو لوٹا ہے اور یہ عمل تو وہی ہے جو ہر کوئی کرے گا۔ آپ ہماری آواز بن سکتے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس میں آپ کی مدد کرے۔

ہم آپ کو اسلامی دنیا کی وحدت کے لیے کام کرنے کا بھی کہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے خلاف کھڑا ہوسکیں جو اس لوٹ مار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے ہماری جان ومال سے کھیل رہے ہیں۔

**اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور جلد ہمیں اپنی فتح ونصرت سے ہمکنار کرے۔**

آپ کا بھائی

ابوعبداللہ از بغداد

□□□

# اخبارِ مسلم فی العالم

﴿اِنَّما المُؤمِنُونَ اِخوَة﴾

''بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں''

تبصرہ نگار: جنید، اسامہ حنیف، انجینئر معیز

## ﴿عراق خود مختار ملک ہے امریکہ نوآبادی نہ سمجھے: عراقی صدر جلال طلابانی﴾

عراق کے صدر کا یہ بیان شاید Joke of the Century کے کسی بھی مقابلے کے لیے منتخب تو ہوسکتا ہے مگر اس سے زیادہ اس بیان کی وقعت کچھ بھی نہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب پوری دنیا کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عراقی حکومت کی حیثیت ایک کٹھ پتلی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بیان جہاں ایک طرف تمسخرانہ پہلو رکھتا ہے تو دوسری طرف خون کے آنسو بھی رلاتا ہے۔ کیا خود مختاری کا کوئی نیا معیار طے پایا ہے جس کی بدولت جلال طلابانی صاحب نے یہ بیان دیا۔ قابض امریکی افواج کی موجودگی، تمام انفراسٹرکچر کی تباہی، تیل کے کنوؤں پر غاصبانہ قبضہ، مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور عقیدے کی حرمت کی پامالی، فلوجہ کی مساجد اور شہریوں پر کیمیائی ہتھیاروں کے حملے اور ابو غریب جیل میں مسلمان مردوں اور عورتوں پر تشدد اور ان کی آبروریزی؛ کیا یہی خود مختاری کے نئے معیار مقرر ہوئے ہیں؟ کیا عجیب ہے کہ وہ شخص جو اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکتا وہ خود مختاری کے تمغے اپنے چھاتی پر سجائے بیٹھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ جلال طلابانی جیسے ہی لوگ ہیں جو امریکہ کے ایجنٹ بن کر نہ صرف عراق بلکہ پوری امت مسلمہ سے غداری کر رہے ہیں۔ اگر آج امت مسلمہ کے سروں سے جلال طلابانی، پرویز مشرف، حسنی مبارک، اسلام کریموف اور بشار الاسد جیسے غدار ہٹ جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں جو اس امت کو پھر خلافت کی شکل میں ایک ہونے سے اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے سے روک سکے۔

## ﴿ناموسِ رسالت کا تحفظ﴾

مسلم ورلڈ لیگ کے زیرِ اہتمام مکہ میں ناموسِ رسول کی حفاظت کے عنوان سے دو روزہ کانفرنس منعقد کی گئی۔ پوری دنیا سے مسلم علماء نے کانفرنس میں شرکت کی۔ شرکاء نے ایک مشاورتی کمیشن کے قیام پر زور دیا جو مقامی عدالتوں اور عالمی عدالتِ انصاف سے ان لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی کے لئے رجوع کرے گا جو اسلام، پیغمبر اسلام اور معتبر اسلامی شخصیات کی توہین کے جرم کے مرتکب ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم ورلڈ لیگ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے حوالے سے عالمی سطح پر ایک آگاہی پروگرام شروع کرنے کا اعلان کیا اور کانفرنس میں اس کے لئے ایک فنڈ قائم کیا گیا۔ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کا قول اور فعل شریعت کا درجہ رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت ایمان کا حصہ اور آپ ﷺ کی تقدیس اسلام کا ایک لازمی جزو ہے۔ مغرب کی جانب سے ناموسِ رسول کی توہین نہ صرف نا قابلِ قبول ہے بلکہ نا قابلِ برداشت ہے۔ یہ اسلام کی بنیاد پر حملہ ہے اور اس قبیح فعل کے پیچھے در حقیقت یہی سوچ پوشیدہ ہے۔ توہین رسالت کے سلسلے میں بنائے جانے والے کارٹونوں پر مغربی حکومتوں کا اتحاد، ضدی رویہ اور معافی مانگنے سے صاف انکار اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ناموس رسول کے تحفظ کے لئے مغرب کی مقامی عدالتوں سے رجوع کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ ناموس رسول کے قانونی تحفظ کی ضمانت دینا تو دور کی بات، مغربی حکومتیں تو شاتم رسول کی ہر قیمت پر حفاظت کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ مغرب کے نزدیک آزادیِ رائے کے تحت کوئی بھی شخص کسی بھی طرح کے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے۔ پھر عیسائیوں کے سربراہ پوپ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے بعد کیا مغرب سے اب بھی خیر کی امید لگائی جاسکتی ہے؟ ناموسِ رسول ﷺ کی حفاظت صرف اسی وقت ممکن ہے جب شاتم رسول کو اس گھناؤنے فعل پر مثالی سزا دی جائے۔ تا کہ آئندہ کسی کو اسلام کی بنیاد پر حملے کی جرأت نہ ہوسکے۔ ناموسِ رسول ﷺ کی حفاظت کانفرنسوں کے ذریعے نہیں تلوار کے ذریعے کی جاتی ہے۔ آج مسلم حکمرانوں کی تلواریں اپنی ہی عوام کی گردنوں پر تنی ہوئی ہیں اور گستاخِ رسول کو سزا دینا تو درکنار وہ تو امت کو بھی زنجیروں میں جکڑے اس فعل سے روکے ہوئے ہیں۔ صرف رسولِ ہاشمی ﷺ کا نظامِ حکومت خلافت ہی ہے جس نے ماضی میں بھی ناموسِ رسالت کی حفاظت کی اور مستقبل میں بھی اس بات کو یقینی بنائے گا کہ کسی کو یہ جرأت نہ ہوسکے کہ وہ پیغمبرِ اسلام کی توہین کرے۔

## ﴿جنوبی ایشیاء میں جوہری توانائی کا مستقبل﴾

بھارتی صدر ڈاکٹر ابو الکلام نے انڈین ملٹری اکیڈمی میں 10 دسمبر 2006ء کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''عسکری افواج مستقبل کی جنگی ٹیکنالوجی سے خود کو لیس کریں اور جوہری اور کیمیائی جنگ کے علاوہ الیکٹرانک معرکے کے لیے بھی تیار رہیں۔ ہمارا مستقبل قومی سلامتی، اقتصادی ترقی اور معاشی خوشحالی پر منحصر ہے اور ان کا انحصار قوم کی تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتوں پر ہے۔ فوجی افسران دنیا کی مضبوط ترین فوج بننے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو فروغ دیں'' بھارت اپنے آپ کو مستقبل قریب میں ایک علاقائی طاقت کے طور پر دیکھتا ہے جیسا کہ امریکہ بھی جنوبی ایشیاء میں مستقبل میں دیکھنا چاہتا ہے جس کے مطابق بھارت خطے میں چین کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو ختم کرے گا اور ساتھ ہی ساتھ مغربی سرحدوں پر ہونے والی کسی تبدیلی کا بھی مقابلہ کرے گا۔ بھارت اپنے اس ہدف تک پہنچنے کے لیے کئی اقدامات کر رہا ہے جن میں اسرائیل اور یورپی ممالک سے دفاعی معاہدے، روس کے ساتھ قریبی اقتصادی اور دفاعی تعلقات اور حال میں امریکہ سے ہونے والا جوہری معاہدہ بھی شامل ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 34 پر

# دنیا بھر کی تصویری خبریں

جنوری 2007- بنگلہ دیش میں حزب التحریر کے ارکان پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

لبنان میں حزب التحریر کے زیر اہتمام 'سالانہ خلافت کانفرنس' کے مختلف مناظر

عراق اور صومالیہ پر امریکی جارحیت کے خلاف حزب التحریر کے زیرِ اہتمام نکالی گئی ریلی کے مختلف مناظر

# دنیا بھر کی تصویری خبریں

5 فروری 2007 کو لاہور میں حزب التحریر کے احتجاجی مظاہرے کا منظر

راولپنڈی میں حزب التحریر کے ارکان یوم یکجہتی کشمیر کے موقع پر احتجاجی ریلی نکال رہے ہیں

اسرائیل کے ہاتھوں مسجد اقصیٰ کی شہادت کے خلاف فلسطین میں حزب التحریر کی ریلی کے مختلف مناظر

# بنیاد پرستی (Fundamentalism)

کفار نے مسلمانوں کو ان کی بنیاد سے ہٹانے کے لیے اور مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے ایسے تصورات کو موضوعِ بحث بنایا ہے کہ جس کے ذریعے وہ اسلام کے صاف شفاف افکار کو پراگندہ کر سکیں جیسا کہ بین التہذیبی مکالمہ، اور بین الثقافتی مکالمہ اور یہ کہ دونوں عرب اور یہود قوم، حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد ہونے کی بنیاد پر ایک ہی ہیں۔ انہوں نے دہشت گردی، بنیاد پرستی اور انتہا پسندی جیسے افکار سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش شروع کر دی چنانچہ یہ بہت اہم ہے کہ ہم ان افکار کی اصل حقیقت اور مسلم امت کو اِن سے خبردار رکھیں تا کہ ان کے حوالے سے صحیح رویہ اختیار کیا جا سکے۔ زیرِ نظر مضمون حزب التحریر کی کتاب ''خطرناک تصورات'' سے لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے اندر انہی تصورات کو نہایت باریک بینی سے دیکھا گیا ہے تا کہ امت مسلمہ حقائق سے باخبر رہے اور وہ کفار کی چالوں کو سمجھ سکے۔

بنیاد پرستی کی اصطلاح سب سے پہلے انیسویں صدی کے آخر میں یورپ میں سامنے آئی۔ اس اصطلاح کو سائنس اور فلسفے میں نئی پیش رفتوں پر چرچ کے ردِعمل اور عیسائیت پر چرچ کے سخت استحکام کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

'پروٹسٹنٹ تحریک نے بنیاد پرستی کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک نے 1978 میں Niagara کانفرنس میں اور پھر 1910 میں جنرل Presbyterian کانفرنس میں اپنے بنیادی اصول پیش کیے۔ جہاں بنیاد پرستی کے ان زرّیں اصولوں کو مزید واضح اور شفاف کیا گیا۔ یہ اصول عیسائی مذہب کے ایسے اصولوں پر مبنی تھے، جو سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کی سائنسی پیشرفت کے خلاف تھے، وہ آئیڈیالوجی جو دین اور دنیا کو الگ کرنے کے عقیدے پر مبنی ہے۔

حالانکہ دوسری جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی یہ تحریک ختم ہوگئی۔ لیکن یہ بات یورپی لوگوں کے دماغ میں گھر کر گئی کہ بنیاد پرستی سائنس اور ترقی کی دشمن ہے۔ اسے ایک فکری طور پر قدیم تصور مانا جاتا تھا۔ جو کہ بیداری کے اس دور سے ہم آہنگ نہیں تھا اور اس کے خلاف تب تک لڑنا ضروری تھا جب تک معاشرے اور زندگی پر اس کے اثرات ختم نہ کر دیئے جائیں۔

چنانچہ عیسائیت کی دنیاوی معاملات سے جدائی کے بعد ہونے والی سائنسی اور صنعتی ترقی کے ردِعمل میں بنیاد پرستی نے یورپ میں جنم لیا۔ یہ تصور اس لیے ابھرا کیونکہ عیسائیت زندگی کے ان نئے معاملات کو حل کرنے کے قابل نہیں تھی، جو کہ اس سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں، وہ آئیڈیالوجی جو دین اور دنیا کو الگ کرنے کے عقیدے پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے عیسائی مذہب کے ماننے والوں نے مجبوراً ایسا رویہ اختیار کیا کہ انہوں نے مادی ترقی اور سرمایہ دارانہ ثقافت کی بہت سی اقسام کو بالکل رد کر دیا۔ لیکن بنیاد پرستی کی یہ تحریک ناکامی سے دوچار اور منظر عام سے غائب ہوگئی۔ جس کی ایک وجہ تو دنیاوی مسائل کے لیے عملی حل نہ دے پانا تھا، اور دوسرا سبب وہ تھا جو کہ اس تحریک کے قیام کی وجہ بھی تھی، یعنی کہ سائنسی ترقی میں رکاوٹ ڈالنا اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے اصول اور خیالات کو روکنے کی کوشش کرنا جن سے عیسائی اتفاق نہیں کرتے یا جن پر وہ یقین نہیں رکھتے ہیں۔

چنانچہ چند عیسائی اور یہودی تحریکوں کو بنیاد پرست قرار دینے والا مغرب ہی ہے۔ یہ لقب ان مذہبی تحریکوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے نفاذ کے بعد ہونے والی تکنیکی، صنعتی اور سائنسی ترقی کے خلاف ہیں۔

چنانچہ مغربی مفکروں اور سیاستدانوں اور ان سے اتفاق کرنے والے چند مسلمانوں کا مختلف اسلامی تحریکوں اور ان سے منسلک مسلمانوں کو بنیاد پرست قرار دینے کا مقصد ان کے خلاف عالمی رائے عامہ قائم کر کے ان کی مخالفت کرنا اور ان پر حملہ کرنا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ ان کے خیال میں بنیاد پرستی کا مطلب لکیر کا فقیر اور جہالت کا ہونا ہے اور یہ سائنسی اور صنعتی ترقی کے خلاف بھی ہے۔

کسی بھی گروہ کو بنیاد پرست قرار دینا اس بات کے لیے کافی ہوتا ہے کہ اُسے نئے دور کے مادی تمدن اور عام لوگوں کی زندگیوں کے لیے خطرناک تصور کیا جانے لگے۔ اس لقب کی بنا پر اس گروہ کے خلاف ہر قسم کے اقدامات جائز ہو جاتے ہیں۔ چاہے وہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔ مصر اور الجیریا جیسے ممالک جب کسی مسلمان کو بنیاد پرست ہونے کی بناء پر قتل کرتے ہیں تو اس عمل کو مغربی رائے عامہ کی حمایت ملتی ہے۔ کوئی بھی انسانی حقوق کی تنظیم اس عمل کے خلاف کھڑی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے دعوے کے مطابق قتل ہونے والے بنیاد پرست ہیں۔ انہیں انسانیت کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ خاص طور پر تب جب ہر قسم کے بھیانک اقدامات ان سے منسلک کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ الجیریا میں معصوم لوگوں کا قتل عام اور مصر میں سیاحوں اور Copts کا قتل۔

بنیاد پرستی کی اصطلاح کے دائرے کو مزید وسیع کر کے ہر ایسی تحریک اور جماعت کو اس میں شامل کر لیا گیا جو خلافت کے دوبارہ قیام اور اسلام سے حکمرانی کے ذریعے مسلمانوں کی ہولناک زندگیوں کو اسلامی زندگی میں تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ اس زمرے میں تمام ایسی تحریکیں بھی آتی ہیں، جو کہ اسلامی سرزمینوں پر حملہ کرنے والی اور ان پر قبضہ کرنے والی قوموں جیسا کہ یہودیوں، سربوں اور امریکہ وغیرہ کی مخالفت کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمان مجاہدین جو ان دشمنوں سے

لڑتے ہیں جو ان کی زمینوں پر قبضہ کرتے ہیں، وہ بنیاد پرست اور دہشت گرد ہیں۔ ان میں جو لوگ ان غیر ملکی حملہ آوروں پر وار کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں، وہ خودکش اور مجرم ہیں۔

یہ تعریف ناانصافی اور قبضے کے خلاف لڑنے والے ہر مسلمان اور ہر تحریک کے لیے خطرناک ہے۔ یہ تعریف ہر اس جماعت کے لیے بھی خطرناک ہے، جو شرعی منبع کے مطابق اسلامی طرزِ زندگی کی واپسی کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیاد پرستی کی اس تعریف کا مقصد دنیاوی معاملات میں اسلام کی واپسی کے لیے کام کرنے والوں پر حملہ کرنے کے لیے قانونی جواز قائم کرنا ہے۔ اس بہانے کے ساتھ کہ اسلام بھی ان یہودی اور عیسائی بنیاد پرست تحریکوں کی طرح ایک بنیاد پرست تحریک ہے جنہوں نے سرمایہ دارانہ نظام میں صنعتی اور سائنسی ترقی کی مخالفت کی۔ اسلامی تحریکوں پر ایک لیبل چسپاں کرنے کے لیے اس اصطلاح کا چناؤ اس لیے کیا گیا کیونکہ مغربی رائے عامہ کے ساتھ اس کی ایک تاریخی مناسبت ہے۔ تاکہ مغربی لوگ سیاسی اسلام کی ایک ریاست اور نظامِ زندگی کے طور پر واپسی کے خلاف اپنے لیڈروں کے پیچھے کھڑے رہیں۔

کسی بھی مسلمان کے ذہن میں یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ اسلامی تحریکوں کو بنیاد پرست قرار دینے کی وجہ دین کی بنیاد یا فقہ کی بنیادوں سے ان کا تعلق ہے۔ اسلامی عقیدہ کی بنیاد تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، آخرت کے دن اور قدر من جانب اللہ ہونے پر ایمان ہے۔ فقہ کی بنیاد تو وہ اصول ہیں جن پر فقہ مبنی ہے اور جنہیں ایک مجتہد تفصیلی دلائل میں سے عملی شرعی احکامات اخذ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

مغربی اصطلاحات کے مطابق وہ بنیاد پرستی، جسے عیسائی پروٹسٹنٹ تحریک نے ان مقاصد کے لیے پیش کیا جس کے لیے اس تحریک کا قیام عمل میں آیا تھا، کا دورِ حاضر میں یا تاریخی طور پر کسی اسلامی تصور یا اسلامی تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ میں سیاسی تحریکیں، فکری درسگاہیں اور فقہی درسگاہیں ضرور سامنے آئیں۔ لیکن یہ کسی طرح سے بھی عیسائی بنیاد پرست تحریکوں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے ساتویں صدی ہجری میں اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا مطالبہ کیا، انہوں نے بھی یہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ پرانی چیزوں کو محفوظ اور نئی چیزوں کی مخالفت کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ پہلے لوگوں کی طرف سے فقہ پر جو کام کیا گیا ہے، اس میں تمام ایسے مسائل کا حل موجود ہے، جو بعد میں آنے والے عالموں کو درپیش آسکتے ہیں۔

اسلام ایک منفرد دین ہے جو دوسرے الہامی مذاہب سے اس لیے مختلف ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخری پیغام ہے اور پچھلے پیغاموں کو رد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیغام کو قیامت کے دن تک اپنی اصل حالت میں برقرار رکھنے کی خود ذمہ داری اٹھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

''بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''

(الحجر:9)

یہ ایک مکمل اور وسیع آئیڈیالوجی ہے، جو ایسے عقیدے پر قائم ہے جو انسانی عقل کو قائل کرتا ہے اور جس سے ایک وسیع نظام جنم لیتا ہے، جو قیامت کے دن تک آنے والے تمام انسانی معاملات کو حل کرتا ہے۔ ایسا تصور کیا بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ آئیڈیالوجی انسان کو درپیش کسی مسئلے پر شرعی حکم نہ پیش کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

''اور ہم نے تمہارے لیے اس کتاب کو اتارا جس میں ہر چیز بتادی گئی ہے'' (النحل:89)

تاریخ میں اسلامی دنیا کی سائنسی اور صنعتی ترقی اسلام کی دنیا سے الگ ہونے کے نتیجے میں عمل میں نہیں آئی بلکہ یہ اسلام کے مکمل نفاذ کا نتیجہ تھی۔ آج کے دور میں پائی جانے والی زیادہ تر سائنسی اور صنعتی ترقی ان مسلمان مفکروں کی بدولت ہے جنہوں نے اسلامی طرز زندگی اور اسلامی ریاست کے سائے تلے اس کے بنیادی قوانین اور نظریات کو پیش کیا۔

چنانچہ اسلام اور اسلامی تحریکوں کو اسی طرح سے بنیاد پرست قرار دینا جیسے عیسائی تحریکوں کو قرار دیا گیا تھا، ایک غلط اور تعصب سے بھرا فیصلہ ہے۔ بنیاد پرستی کی اس تعریف کا اسلام کی حقیقت پر کوئی اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی ایسے شخص پر اطلاق ہوتا ہے، جو اسلام کی دنیا میں واپسی کے لیے کوشش کر رہا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص وہ خستہ حقیقت تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جس میں مسلمان زندہ رہتے ہیں اور جو کہ زندگی کے معاملات میں انسان کے تخلیق کردہ نظام کی حاکمیت کی وجہ سے ہے۔ یہ عیسائی بنیاد پرست تحریکوں کے کام کے برخلاف ہے، جو اس طرز زندگی کو بالکل اُسی طرح محفوظ کرنے کے لیے عمل میں آئیں جس کے تحت عیسائی سرمایہ داریت سے پہلے رہتے تھے۔

چنانچہ مغرب کا اسلامی تحریکوں کو بنیاد پرست قرار دینا اسلام کی ایک مکمل نظام کے طور پر واپسی کے خلاف جنگ کے علاوہ کچھ نہیں۔ مغرب کے لیے یہ ایک سٹریٹیجک اور نہایت ضروری معاملہ ہے اور وہ تیسری دنیا کے ممالک خاص طور پر اسلامی دنیا کو غیر ترقی یافتہ اور کسی بھی قسم کی تجدید سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ سب خلافت کے دوبارہ قیام کو روکنے کے لیے ہے، جو کہ ان کے نظام کو اکھاڑ پھینکے گی اور ان کی خواہشات اور لالچ کا خاتمہ کر دے گی۔

انہیں لوگوں میں سے ایک کا بیان سنیے جو کہ ہارورڈ یونیورسٹی برائے مشرقِ وسطیٰ علوم میں وزیٹنگ سکالر ہے۔ اس نے امریکی کانگرس کو ایک رپورٹ جمع کروائی جس میں اس نے کہا: ''بنیاد پرستوں کا خیال ہے کہ شریعت کا اپنی تمام تر باریکیوں سمیت اطلاق ہونا چاہیے اور یہ کہ خدا کے تمام احکامات کا مکمل نفاذ لازمی ہے اور یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اسلام ان کی طاقت کا منبع ہے اور شریعت آج بھی اسی طرح قابل نفاذ ہے، جیسے وہ تاریخ میں تھی'' اس کے علاوہ اس نے کہا ''بنیاد پرست مغربی تہذیب سے سخت نفرت کرتے ہیں اور وہ اسے اسلامی احکامات کے نفاذ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے

ہیں'' امریکی سکالر John Esposite نے امریکی کانگرس کو ہی جمع کروائی گئی ایک اور رپورٹ میں کہا: ''امریکی مفادات کو سب سے زیادہ خطرہ جن سے ہے وہ مسلم بنیاد پرست ہیں''

چنانچہ کفار جس بنیاد پرستی کو حملے کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ دراصل اسلامی شریعت کا زندگی میں دوبارہ نفاذ ہے۔ اگر یہی بنیاد پرستی ہے۔ تو ان کی تعریف کے مطابق تمام مسلمان بنیاد پرست کہلائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان اشتیاق اور ولولے کے ساتھ خلافت کے سائے تلے اسلامی احکامات کے مکمل نفاذ کے لیے بے تاب ہیں، جو انہیں اور باقی دنیا کو سرمایہ داریت کی خواری سے بچائے اور انہیں اسلام کی شان وشوکت کی طرف واپس لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

''اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ اور اس کے خلاف، جو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے، کے خلاف جھوٹ باندھتا ہے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ اپنے نور کو پھیلا کر رہے گا چاہے یہ کافروں کو ناگوار ہی ہو۔ (الصف:8-7)

□□□

بقیہ صفحہ نمبر 8 سے

## سیرت کے اوراق سے

دینا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تیار کیا اور عبداللہ ابن سلول کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرکے میدان بدر پہنچے اور قریش سے قتال کے منتظر رہے۔ مکہ سے ابوسفیان دو ہزار فوجیوں کے ساتھ روانہ ہوا، لیکن راستہ ہی سے اپنے فوجیوں کے ساتھ مکہ لوٹ گیا۔ حضور اکرم ﷺ مسلسل آٹھ دن تک وہیں خیمہ زن رہے لیکن قریش نہیں آئے بالآخر حضور اکرم ﷺ کو قریش کے واپس لوٹ جانے کی اطلاع ہوئی اور آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ لوٹے، لیکن ان آٹھ دنوں کے قیام میں بدر میں تجارت کا کافی منافع حاصل کر لیا تھا۔ یہ واپسی فتح کے ساتھ ہوئی گو کہ قریش مقابلہ کیلئے نہیں آئے۔ پھر آپ نے نجد کے غطفان پر حملہ کیا جو بغیر مقابلہ کئے اپنی عورتوں اور سامان کو چھوڑ گئے تھے جو مسلمان مالِ غنیمت کے طور پر اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دومۃ الجندل کا قصد کیا جو شام اور حجاز کی سرحد پر واقع تھا، اس کا مقصد اُن قبائل کو زیر کرنا اور خبردار کرنا تھا جو کاروانوں پر حملے کیا کرتے تھے۔ دومۃ الجندل نے بھی مقابلہ نہیں کیا اور وہ اپنا مال ومتاع وہیں چھوڑ کر فرار ہوگئے جسے مالِ غنیمت کے طور پر مسلمان لے کر فتح یاب ہو کر مدینہ لوٹے۔

ان خارجی غزوات اور مدینہ کے اندر کی گئی کاروائیوں سے حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی قوت کی دھاک عربوں اور یہود پر بٹھا دی اور اُن کا وقار و رعب بحال کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اب جنگ اُحد کی شکست کے اثرات پوری طرح زائل ہو گئے تھے۔

□□□

بقیہ صفحہ نمبر 29 سے

## اخبارِ مسلم فی العالم

بھارت اس پالیسی پر چلتے ہوئے اپنے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کوشاں ہے اور دوسری طرف پاکستان کے جوہری پروگرام پر ہر پلیٹ فارم سے دباؤ برقرار رکھے ہوئے ہے جیسا کہ حال میں بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے جاپانی وزیر اعظم سے کہا ''اگر ڈاکٹر قدیر خان نے شمالی کوریا کو نیوکلیر ٹیکنالوجی کسی بھی شکل میں منتقل کی ہے تو یہ ایک افسوسناک قدم ہے اور پاکستان اس بارے میں معلومات فراہم کرے''۔ امریکی کانگریس کی بھارت کے ساتھ جوہری معاہدے کی منظوری اور پاکستان کے ساتھ مستقبل میں کسی بھی ایسے معاہدے سے انکار کے بعد پاکستان کے جوہری پروگرام کے بارے میں امریکہ کے منصوبے واضح ہو چکے ہیں جس کے تحت امریکہ نے پہلے مشرف کے ذریعے اس نیوکلیر پروگرام کو کمزور کیا ہے اور مستقبل میں اس کا مکمل خاتمہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اس صورتحال کو مشرف اور موجودہ حکومت، پاکستان کے مفاد میں بتاتی ہے جیسا کے وفاقی وزیر اطلاعات درانی صاحب نے ۱۰ دسمبر کو کہا،'' ڈاکٹر قدیر خان کی موجودہ صورتحال پاکستان کے مفاد میں ہے''۔ ایجنٹ حکمرانوں سے اس سے زیادہ کسی اور بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔

### ﴿پاکستان میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں کمی نہیں ہوئی﴾

گزشتہ ۶ ماہ کے دوران عالمی منڈی میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں ۳۰ فیصد تک کمی واقع ہوئی ہے جبکہ پاکستان نے یہ قیمتیں ذرہ بھی کم نہیں کیں۔ OGRA نے بھی تین چار مرتبہ وزیر اعظم صاحب کو قیمتوں میں کمی کی تجاویز بھیجیں جن کو انہوں نے مسترد کر دیا اور ان کا کہنا ہے کہ ابھی بھی پاکستان میں تیل کی قیمتیں خطے میں سب سے کم ہیں۔ بعدازاں پیٹرول کی قیمتوں میں 4 روپے کی کمی اور ڈیزل کی قیمتوں میں فقط ایک روپے کی کمی کرکے پاکستان کی عوام کو ایک زبردست ''ریلیف'' دیا گیا۔ یہ کمی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ مزید یہ کہ بھارت میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمت 47 اور 33 ہے جبکہ پاکستان میں یہ قیمتیں کم ہو کر بھی 54 اور 37 کے قریب ہیں۔ وہ خام تیل جو کہ اسلام کی رو سے لوگوں کی ملکیت ہے نجکاری اور آزادی ملکیت کے نام پر اب ملٹی نیشنلز کے قبضے میں ہے۔ وہ تو ہمارا تیل ہمیں ہی مہنگے داموں بیچ کر پہلے ہی ہمارا خون چوس رہی ہیں لیکن اب حکومت بھی عوام کے اس خون میں اپنا حصہ چاہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی انہی پالیسیوں کے ذریعے ہی مسلمان حکمرانوں نے ہمارے وسائل کفار کے ہاتھ میں دیئے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے پہلے طاقت ور اور مضبوط ہوئے ہیں اور اب مسلمانوں کے جان و مال پر حملہ کر رہے ہیں۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ آج بے پناہ گیس اور تیل کے ذرائع کے باوجود مسلم دنیا غربت اور افلاس کا شکار ہے اور اس کی وجہ کفار کی وہ پالیسیاں ہیں جو وہ ان حکمرانوں کے ذریعے مسلم علاقوں میں نافذ کر رہے ہیں۔ انسانیت کو ریلیف دینا صرف اسلام کے بس کی بات ہے کہ جس کے سائے میں مسلمان اور غیر مسلم کسی ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ان کے ایجنٹ حکمرانوں کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں نہیں پستے بلکہ وہ تو ایک ایسا عدل کا نظام دیتا ہے جس میں ساری انسانیت سکھ کا سانس لیتی ہے۔

□□□

میگزین
خلافت
علیٰ منہاجِ نبوت
مُحرّم، صَفر
1428ھ، 2007ء

# 'اُٹھ اے قومِ مسلم بدل اپنی حالت'

فارس خیال

تو مشرق سے مغرب دوڑا اپنے گھوڑے
تو پورب سے پچّھم لگا اپنے خیمے!
سمندر سمندر چلا بحری بیڑے
بلندی پہ لے جا ہوائی طیارے

زمینی فضائی بنا فوجی طاقت
اُٹھ اے قومِ مسلم بدل اپنی حالت
زمانے میں لے آ نظامِ خلافت

فلسطینی، افغانی، کشمیری بھائی
گھڑی مشکلوں کی یہ جن پہ ہے آئی
فرنگی کے شر سے لہو جو ہوئے ہیں
سبھی مل کے دیتے ہیں تجھ کو دہائی

غلامی سے بہتر ہے کر دے بغاوت
اُٹھ اے قومِ مسلم بدل اپنی حالت
زمانے میں لے آ نظامِ خلافت

وہ بغداد جیسے ادارے بنا پھر
تو میدانِ طب میں نظارے دکھا پھر
کبھی مثلِ رومی کبھی مثلِ رازی
علوم و فنون کے ستارے دکھا پھر

یہی دین و دنیا یہی ہے عبادت
اُٹھ اے قومِ مسلم بدل اپنی حالت
زمانے میں لے آ نظامِ خلافت

وہ لا اُندلس کا زمانہ دوبارہ
بنا قرطبہ میں ٹھکانہ دوبارہ
پڑاؤ غلامی کا چھوڑو چلو اب
ذرا قافلوں کو جگانا دوبارہ

سمجھ پھر قرآں یقین رکھ سلامت
اُٹھ اے قومِ مسلم بدل اپنی حالت
زمانے میں لے آ نظامِ خلافت

خزانے عرب کے بچا کافروں سے
سدا ہم کو دھوکہ ملا کافروں سے
فرنگی حکومت کا ٹوٹے طلسم!!
نہ لے اشیاء جو گدا کافروں سے

یہ آپس کا جھگڑا مٹا ہر عداوت
اُٹھ اے قومِ مسلم بدل اپنی حالت
زمانے میں لے آ نظامِ خلافت